بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام

اُصولِ اسلام

از

شمس المفسرین شیخ المحدثین بحر العلوم

محمد عبدالقدیر صدیقی حسرتؒ

سابق صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ

باہتمام محمد عباس علم بردار صدیقی

حسرت اکیڈیمی پبلیکیشنز

صدیق گلشن بہادرپورہ حیدرآباد ۵۰۰۰۲۶۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

قوع

اصول اسلام

مصنفہ

بحر العلوم علامہ حضرت محمد عبد القدیر صدیقی قادری حسرتؒ
(۱۲۸۸ھ - ۱۳۸۱ھ)
سابق صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ

باہتمام

محمد عباس علمبردار صدیقی

ناشرین
حسرت اکیڈمی پبلیکیشنز
صدیق گلشن - حیدرآباد

بار دوم (۱۰۰۰)　ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ　قیمت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب : اصول اسلام ۔
نام مصنف : بحر العلوم حضرت محمد عبد القدیر صدیقی حسرتؒ
سابق پروفیسر و صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن
فن : اسلامیات
اشاعت : بار دوم ۔ ربیع الثانی ۱۴۱۴؁ھ مطابق اکتوبر ۱۹۹۳؁ء
سائز کتاب : ڈیمائی ۱/۸ صفحات (۸۰) ۔ تعداد (۱۰۰۰)
کتابت : شاہد حسین فاروقی
اہتمام : محمد عباس علمبردار صدیقی
طباعت سرورق : فیس بلاک چھتہ بازار ۔ حیدرآباد ۔
طباعت : اسپیڈ پرنٹرس ۔ سعید آباد ۔ حیدرآباد
ناشرین : حسرت اکیڈیمی پبلکیشنز
ملنے کے پتے :
اسٹوڈنٹس بک ہاوز ۔ چارمینار حیدرآباد ۔ ۲
بک زون ۔ مہدی پٹنم ۔ حیدرآباد ۔ ۲۸ آندھرا پردیش
جٹ سیٹ ۔ چراغ علی لین ۔ حیدرآباد
دفتر حسرت اکیڈیمی ۔ صدیق گلشن ۸۸۸-۱-۱۹ بہادر پورہ حیدرآباد
۵۰۰۲۶۴ آندھرا پردیش

بار اول (۵۰۰) ۲۷ رجب ۱۳۷۴؁ھ

چند سطور بحر العلومؒ کے بارے میں

شمس المفسرین شیخ المحدثین استاذ العلماء بحر العلوم حضرت محمد عبدالقدیر صدیقی حسرت رحمۃ اللہ علیہ حیدرآباد دکن کی ایک ایسی عالم شخصیت تھے، جن کو بجا طور پر بحر العلوم اور استاذ العلماء کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ کی ولادت بروز جمعہ ۲۷؍رجب ۱۲۸۸ھ (۱۳؍اکتوبر ۱۸۷۱ء) حیدرآباد دکن کے ایک مشہور علمی گھرانے میں ہوئی۔ آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل اور منشی فاضل کے امتحانات بدرجہ امتیاز کامیاب فرمائے اور ابتداءً آپ کا تقرر دارالعلوم پر ہوا۔ جو اس زمانے میں حیدرآباد دکن کی بہت مشہور درسگاہ تھی۔ جب عثمانیہ یونیورسٹی کا قیام عمل میں لایا گیا تو آپ پروفیسر اور صدر شعبۂ دینیات مقرر ہوئے۔ بذریعہ شاہی فرمان آپ کی ملازمت کی مدت میں دس سال تک مسلسل توسیع ہوتی رہی۔

آپ نے قرآن مجید کی مکمل تفسیر لکھی جو تفسیر صدیقی کے نام سے پاکستان سے شائع ہوئی۔ حیدرآباد دکن میں تفسیر کی طباعت کا کام چل رہا ہے اور انشاءاللہ جلد پایۂ تکمیل کو پہنچے گا۔ ۱۹۴۱ء میں حیدرآباد اکیڈیمی کی جانب سے آپ کا تحقیقی مقالہ "مسئلہ عدم نسخ قرآن" طبع ہوا جس میں آپ نے ثابت فرمایا ہے کہ قرآن شریف کی کوئی آیت منسوخ نہیں آپ کی تالیف "الدین" بزبان عربی جامعہ عثمانیہ کے نصاب فقہ میں شامل تھی۔ آپ نے علامہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی تصنیف فصوص الحکم کا معرکۃ الآرا محشیٰ ترجمہ فرمایا جو جامعہ عثمانیہ کے دارالترجمہ سے شائع ہوا اور کافی شہرت رکھتا ہے۔ تصوف میں آپ کی کئی تصانیف ہیں جن میں حکمتِ اسلامیہ، المعارف، العرفان، التوحید (بزبان فارسی) اور مکاتیب عرفان شامل ہیں۔

آپ حسرت تخلص فرماتے تھے اور عربی، فارسی، اردو اور ہندی میں شعر کہتے تھے آپ کا مجموعہ کلام "کلیاتِ حسرت" کے نام سے زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔

آپ نے ۱۷؍شوال ۱۳۸۱ھ (۲۴ مارچ ۱۹۶۲ء) بروز شنبہ بوقت عصر اس دار فانی سے رحلت فرمائی

صدیق گلشن حیدرآباد

محمد عباس علمبردار صدیقی

مہتمم حسرت اکیڈیمی وکتب خانہ بحر العلوم

اصول اسلام

فہرست مضامین

سلسلہ نشان	عنوان	صفحہ
۱	تمہید	۵
۲	توحید	۲۲
۳	رسالت	۲۸
۴	علم	۳۷
۵	محبت	۴۲
۶	حقوق و فرائض	۴۵
۷	اعتدال	۵۱
۸	احترام ذی حیات	۵۴
۹	تقسیم دولت	۵۶
۱۰	قیام امن	۶۰
۱۱	مساوات	۶۹
۱۲	حرکت میں برکت	۷۳
۱۳	خشیۃ اللہ	۷۵
۱۴	دعا	۷۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تمہید

اسلام امن عالم کا خواہاں ہے ۔ اس لئے وہ بڑا صلح جو مذہب ہے ۔ اس میں تمام بزرگوں کی عزت کی جاتی ہے ۔ قرآن شریف میں ہے ۔ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر-۲۴) یعنی کوئی قوم نہیں گذری مگر یہ کہ اس میں ایک نہ ایک نذیر (پیغمبر) ضرور ہوا ہے ۔ اور ایک جگہ ہے ۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ہ (بنی اسرائیل-۱۵) یعنی ہم (کسی قوم کو) عذاب نہیں دیتے جب تک (اس میں) پیغمبر نہیں بھیجتے ۔

اگر کسی کے متعلق ذریعۂ علم یقینی ہوتا ہے تو ہم اس کی پیغمبری کا یقین کرتے ہیں ۔ قرآن ہمارے پاس یقینی ذریعہ سے پہنچا ہے ۔ پس جن جن پیغمبروں کا ذکر قرآن میں ہے ہم ان کو یقینی طور سے پیغمبر سمجھتے ہیں ۔ کیونکہ ہم اس وقت تک کسی فاسق شخص کے بیان کو قبول نہیں کرتے جب تک کہ اس کی تحقیق نہیں کر لیتے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا (الحجرات-۶) یعنی کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی اچھی طرح تحقیق کرو ۔

جن پیغمبروں کا ذکر قرآن شریف میں ہے ، چونکہ انہوں نے ایک ہی پیغام کو پیش کیا ہے ، لہٰذا ان کا ماننا ، ان پر ایمان لانا ہر ایک ایماندار پر واجب ہے ، اس کا فرض ہے ۔ لہٰذا آدم علیہ السلام کو ، نوح علیہ السلام کو ، ابراہیم علیہ السلام کو ، موسیٰ علیہ السلام کو ، عیسیٰ علیہ السلام کو ، اور دوسرے پیغمبروں کو جن کا ذکر قرآن میں موجود ہے ، مانتے ہیں ۔ ان کی پیغمبری کا یقین کرتے ہیں ۔ پس ہر نوحی آدمی ہے ۔ اور ہر ابراہیمی نوحی ہے ۔ ہر موسوی ابراہیمی ہے

اور ہر عیسوی موسوی ہے۔ اسی طرح ہر محمدی آدمی بھی ہے۔ نوحی بھی، ابراہیمی بھی موسوی بھی اور عیسوی بھی۔ قرآن شریف میں ہے لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ (البقرہ ۲۸۵) یعنی ہم پیغمبروں میں، ان کی نفس پیغمبری میں فرق نہیں کرتے اور ایک جگہ ہے وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (البقرہ ۲۸۵) یعنی وہ کہتے ہیں کہ ہم (ان پیغمبروں کے احکام کو) سنتے ہیں اور ان کی اطاعت کرتے ہیں۔

صاحبو!

خوبصورت وہ ہے جو ناک، آنکھ، ڈیل ڈول، رنگ روپ کا اچھا ہو۔ اسی طرح کوئی خوش سیرت نہیں ہو سکتا جب تک کہ سچا اور اچھا نہ ہو، رذائل سے پاک اور فضائل سے آراستہ نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ کوئی بھی نکٹے یا کانے یا اندھے کو خوبصورت نہیں کہہ سکتا۔ اسی طرح کوئی بھی کسی جھوٹے یا بدمعاش یا مکّار کو خوش سیرت نہیں کہہ سکتا۔ پس اس سے معلوم ہو گیا کہ تمام پیغمبر اچھے اور سچے ہیں۔

یہ بھی یاد رکھو کہ ایک مابہ الاشتراک ہوتا ہے اور ایک مابہ الامتیاز۔ بعض خوبصورتوں کی آنکھیں قیامت ہوتی ہیں۔ بعض کا رنگ سب کو دنگ کر دیتا ہے۔ اسی طرح تمام پیغمبروں میں پیغمبری مابہ الاشتراک ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ہر پیغمبر کا ایک مابہ الامتیاز بھی ہے۔

آدم علیہ السلام اجمالی طور سے اسمائے الٰہی وحقائق اشیاء سے واقف ہیں۔ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا (البقرہ ۳۱) یعنی آدم کو تمام اسماء کی تعلیم دی۔ نوح علیہ السلام حمیتِ دین میں ممتاز ہیں رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا (نوح ۲۶) یعنی اے میرے رب! ان منکرین میں سے کسی بسنے والے کو زمین پر نہ چھوڑ۔ ابراہیم علیہ السلام رضا و تسلیم میں امتیاز خاص رکھتے ہیں۔ ان کے حالات پر غور کرو۔ ہم تم کو آگ میں پھینک دیتے ہیں۔ جی درست! ایک زمانہ کے بعد بچہ پیدا ہوتا ہے۔ ابراہیم! اس بچہ کو ایک ایسے لق ودق میدان میں پھینک کر آؤ جہاں آدمی ہو نہ آدم زاد، کھانا ہو نہ پانی۔ جی اچھا! بچہ بڑا ہوتا ہے حسن و جمال سے سرفراز ہوتا ہے۔ ابراہیم! مجھے دوست رکھتے ہو تو اس بچہ کو چھری لے کر

ذبح کرو۔ جی مناسب! موسیٰ علیہ السلام عشق و محبت ان کے گلے کا ہار ہے۔ رَبِّ أَرِنِىٓ أَنظُرْ إِلَيْكَ (الاعراف۔۱۴۳) خدایا! اپنی باتیں تو سنادیں، ذرا صورت بھی دکھا دے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ لَن تَرَىٰنِى (الاعراف۔۱۴۳) یعنی تم مجھ کو دیکھ نہ سکو گے وَلَٰكِنِ ٱنظُرْ إِلَى ٱلْجَبَلِ فَإِنِ ٱسْتَقَرَّ مَكَانَهُۥ فَسَوْفَ تَرَىٰنِى۔ (الاعراف۔۱۴۳) یعنی اچھا! پہاڑ کی طرف نظر کرو۔ اگر وہ برجا قائم رہے تو تم مجھ کو دیکھ سکو گے۔ ان کی انانیت کے پہاڑ پر ان کا محبوب تجلی کرتا ہے اور اسے پارہ پارہ کر دیتا ہے موسیٰ چیخ مارتے ہیں اور گر کر بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُۥ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُۥ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا (الاعراف۔۱۴۳) یعنی اللہ نے جو موسیٰ کا رب ہے، ان کی انانیت کے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو ان کی خودی کا پہاڑ پارہ پارہ ہو گیا اور وہ چیخ مار کر گر پڑے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ذات خداوندی میں گم اور ماسوا اللہ سے اس قدر بے خبر ہیں کہ بعض لوگوں نے انہیں خدا کا بیٹا کہہ دیا۔

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ ٱللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم تمام صفات کمالیہ کے جامع ہیں۔ نماز کا وقت آتا ہے تو فرماتے ہیں۔ اَرِحْنِیْ یَا بِلَالُ۔ اے بلال اذان دو کہ میں نماز پڑھوں اور مجھے راحتِ دل حاصل ہو، وَقُرَّةُ عَيْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ کیونکہ اس میں دیدار الٰہی ہے۔ صاحبزادے ابراہیم کا انتقال ہوتا ہے۔ منہ سے بیقراری کا ایک لفظ نہیں نکلتا مگر آنکھوں کو ان کا حق دیتے ہیں۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں تو صحابہ عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ آپ اور رونا؟ فرماتے ہیں، یہ رحمت ہے۔ یعنی یہاں محبت کو اس کا حق دیا جا رہا ہے۔ ایک ایسا بھی وقت ہوتا ہے کہ اس گھڑی اس آن خدا کے سوائے کچھ نہیں رہتا۔ لِیْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ لَا يَسَعُنِیْ فِيْهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ (حدیث) یعنی میرا خدا کے ساتھ ایسا وقت بھی آتا ہے کہ جہاں کسی مقرب فرشتہ کی گنجائش ہے اور نہ کسی پیغمبر کی رسائی۔ یہی قدسی ہستی ہوئی ہے

فرماتی ہے کَلِّمِیْنِی یَا حُمَیْرَا یعنی اوروشن جبین، سرخ رو! ذرا مجھ سے باتیں کرو۔
اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ محمدیوں کو اولوالعزم پیغمبروں سے کیا روابط و تعلقات ہیں؟

دیکھو! انسان کے جسم میں اعضائے رئیسہ، دل، جگر، معدہ، شش، دماغ، ام الدماغ ہیں۔ ان سب کو عالم علوی سے ربط ہے، جو لوگ ذاکر و شاغل ہوتے ہیں ان کو معلوم ہے کہ ایک ایک عضوِ رئیسہ ایک ایک اولوالعزم پیغمبر کے تحت ہے۔ اور ایک پیغمبر کی ایک مخصوص صفت ہے۔ ذاکر و شاغل اپنی توجہ اس پیغمبر کی طرف کرتا ہے اور خدائے تعالیٰ سے پیغمبر کو اور اور پیغمبر سے اس شخص کو ایک نور ملتا ہے۔ ان شاغلین کے پاس ہر نور کا ایک خاص رنگ ہوتا ہے، اس حصہ کو جس سے نور حاصل ہوتا ہے لطیفہ اور ایسے سب حصوں کو لطائف کہتے ہیں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کا رنگ سپید ہے۔

دوستو! تم سفید رنگ کو بے رنگ سمجھتے ہو حالانکہ وہ ہفت رنگ کا جامع ہے۔ اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام پیغمبروں کے انوار پر حاوی ہیں۔

صاحبو! شاغل اللہ اور پیغمبروں سے لیتا ہے اور قوتِ ارادی سے نور اور قوت کو جذب کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو لیگا اور سرمایہ جمع کریگا وہ دوسروں کو دے بھی سکے گا۔ لینے کو یافت اور دینے کے عمل کو توجہ اور ہمت کہتے ہیں۔ بزرگوں کی ہمت سے ان کے شاگرد متاثر ہوتے ہیں۔

صاحبو! ان ہپناٹزم والوں اور اسپرچول لوگوں کی دوڑ، ان کے اعمال اور ان کے کرتب سب ان کے نفس سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کے کام کو شاگردانِ پیغمبر ان کے کام سے کیا نسبت؟ چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک ؎

دیکھا بھی تو کیا دیکھا — اس کی کتنی وقعت ہے
کھیل تماشہ لاحاصل — منشا اصل حقیقت ہے (حسرت صدیقی)

صاحبو! ہم کہتے ہیں کہ تمام پیغمبروں کا مذہب ایک ہے۔ دیکھو قطب کی لاٹ، تاج محل

چار مینار کو دیکھ کر جو بھی بیان کرتا ہے ایک ہی بات بیان کرتا ہے۔ یہ کیوں؟ اس وجہ سے کہ سینکڑوں برس سے یہ عمارتیں کھڑی ہیں۔ ان میں کچھ تغیر و تبدل نہیں ہوا خدائے تعالیٰ کی شان اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ ہے یعنی جو پہلے تھا سو اب بھی ہے۔ تغیر کو اس کی ساحت عزت تک رسائی نہیں۔ سلب و زوال کو اس کے مقر عظمت تک گنجائش نہیں یہی وجہ ہے کہ پیغمبر جو قرب الٰہی سے سرفراز ہیں خدائے تعالیٰ کے متعلق جو کچھ کہتے ہیں وہ ایک ہی ہوتا ہے۔ یہ تلامیذ الرحمٰن ہیں۔ رحمان کے متعلق کچھ اختلاف نہیں رکھتے۔ عقیدہ تمام پیغمبروں کا ایک ہی ہے۔ ہاں زمانہ کی ترقی اور مختلف ضرورتیں پیدا ہونے کی وجہ سے احکام میں اختلاف ہوتا ہے۔ پھر بعض احکام تو ایسے بھی ہیں کہ ان میں تغیر نہیں ہوتا اور جو علوم متعارفہ کی طرح سب کے پاس مسلم ہیں۔ جیسے طہارت ضروری ہے عبادت ضروری ہے زنا اور قتل حرام ہیں۔ چوری حرام ہے۔ ڈاکہ حرام ہے۔ جھوٹ بدترین گناہ ہے۔ ہر پیغمبر کی تعلیمات خدا کی عبادات پر مشتمل ہوتی ہیں۔ ہر ایک اسی کی عبادت پر زور دیتا ہے۔ البتہ طریق عبادت میں کچھ فرق ضرور ہے۔ انصاف شرط ہے۔

اسلامی عبادات میں ایک نماز ہی کو دیکھو کہ اس میں کتنے حکم اور فوائد ہیں۔

صاحبو! نماز با جماعت سے تنظیم اور امیر کی اطاعت کی دن میں پانچ مرتبہ مہارت اور مشق کرائی جاتی ہے اور حربی تعلیم کی بھی تمرین اور ڈرل کروائی جاتی ہے۔ یہ اذان کیا ہے بگل بج رہا ہے۔ جو فوج بگل کی آواز پر جمع نہ ہو اور نافرمان ہو جائے وہ ناکارہ ہے۔ ایسی خود سر فوج دشمن کے مقابلہ میں ہرگز کام نہیں دے سکتی۔ وہ اس قابل ہے کہ اس کو گولی ماردیں۔

ورزش کی غرض یہ ہوتی ہے کہ تمام اعصاب اور عضلات چو طرف حرکت کریں اور سیلان خون تمام جسم میں ہو جائے۔ نماز پر غور کرو کہ کس طرح تمام اعضائے بدن کو قیام، رکوع، سجود اور قعود میں ہر طرف حرکت ہوتی ہے۔ دیکھو نماز میں بجز سیدھے پاؤں کے انگوٹھے کے کوئی عضو ایک ہیئت پر برقرار نہیں رہتا۔ اسی لئے لوگ اسے نماز کی کھونٹی

کہتے ہیں۔ نماز ایسی ہلکی ورزش ہے کہ مرد، عورت، بچے، بڈھے سب کر سکتے ہیں۔ نماز آرام طلب، اعدی تو انوں کے حق میں ورزش ہے۔ مگر مسافر، بندوق بردار، باربردار، سنگتراش، لوہار وغیرہ سخت محنت کرنے والوں کے لئے آرام لینے وقفہ اور دم لینا ہے۔ مجھے شرم آتی ہے کہ نماز جیسے عمل کو جو عبد و رب میں مناجات ہے۔ راز و نیاز ہے، الٰہی دربار ہے، ان مادہ پرست مسلمانوں کی خاطر ڈرل اور ورزش جسمانی ثابت کرنے کی ضرورت پڑی کیونکہ یہ لوگ بغیر دنیاوی فائدہ دکھلائے کوئی دین کا کام نہیں چاہتے۔ اس کی گونہ تفصیل کی جاتی ہے۔ چنانچہ نماز میں اقامت سے حسب ذیل امور حاصل ہوتے ہیں۔

فال ان — اجتماع — ڈرس — صف بندی — اٹنشن — سیدھا کھڑا ہو جانا۔ رکوع و سجود سے ایک طرح کی نیلنگ پوزیشن، قعود سے سٹنگ پوزیشن، سلام سے آئیز رائیٹ آئیز لفٹ۔ اور فال آوٹ یا ڈس مس یعنے منتشر ہو جانا۔ ہر حکم پر کمانڈر کے ساتھ ہی سب کا مل کر ایک ہی کام کرنا۔

اچھا! نماز با جماعت سے تنظیم کی کس طرح تمرین و مشق کرائی جاتی ہے؟

آذان سن کر لوگ مسجد میں جمع ہو جائیں تو چاہئے کہ جو سب سے زیادہ عالم ہو اسی کو امام اور لیڈر منتخب کریں، مال و دولت کی عزت کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ امام بنانے کے بعد اطاعتِ امام سب پر واجب ہے جو مقتدی اطاعتِ امام نہیں کرتا، اس کا سر بروز قیامت گدھے کا ہو گا جو نہایت ہی بے وقوف جانور ہے۔ صف بندی میں امیر و غریب سب برابر ہیں ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

اس میں مساوات کا بہترین سبق دیا گیا ہے۔ بعد آنا اور کندھوں پر سے لوگوں کو پھاندتے ہوئے آگے جانا نہایت ممنوع ہے۔ امام یا امیر کی ہر امر میں پیروی ضروری ہے۔ ورنہ تنظیم کی غرض ہی مفقود ہو جائے گی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں امام کی

مخالفت نہ کرنی چاہئیے۔ اگر امام رک جائے یا قراءت میں غلطی کرے تو اس کو لقمہ دینا بتلا دینا ضروری ہے۔ اگر دوسری رکعت کے بعد قعود نہ کرے تو سبحان اللہ کہیں، یعنی اللہ غلطی سے پاک ہے۔ آدمی سے بھول چوک ہوتی ہی ہے۔ امام کا وضو ٹوٹ جائے تو دوسرا امام قائم مقام ہو جاتا ہے اور کام برابر جاری رہتا ہے۔ اگر امام کوئی ایسا کام کرے یا قراءت میں ایسی غلطی کرے جو اصول دین کے خلاف ہو، مثلاً اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی جگہ اَنْعَمْتُ عَلَيْهِمْ پڑھے یعنی بجائے اس کے کہ تو نے انعام کیا کہے، میں نے انعام کیا کہدے تو فوراً نماز توڑ ڈالیں اور لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ یعنی کسی مخلوق کی اطاعت ایسی بات میں نہ کرنی چاہئیے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی معصیت ہو، پر عمل کریں۔

دیکھو! کیسی اخلاقی جرأت کی تعلیم ہے؟ پیٹھ پیچھے غیبت کی اجازت نہیں۔ جو کچھ کہنا ہے سامنے کہدو۔ غلطی کی اصلاح کراؤ۔ بہرحال دن میں پانچ دفعہ تنظیم اور اطاعتِ حاکم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ نادان مسلمان دین کی تعلیم بھلا بیٹھے اور تتر بتر ہو گئے۔ اب ہر طرف سے تنظیم تنظیم کی چیخ پکار ہو رہی ہے۔ کمیٹیاں اور انجمنیں بنائی جا رہی ہیں مگر کن کے اصولوں پر؟ اہل یورپ کے ؎

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان است

(اے اعرابی مجھے اندیشہ ہے کہ تو کعبہ کو نہ پہنچ سکے گا کیونکہ جس راستہ پر تو جا رہا ہے وہ تو ترکستان کو جاتا ہے۔)[1]

صاحبو! ہمارے پاس ہر چیز خدا کی یاد میں سرگرم ہے۔ البتہ ہم ان کی تسبیح سے واقف نہیں وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ ۝ (بنی اسرائیل ۴۴) (یعنی کوئی شئے ایسی نہیں ہے جو خدا کی حمد و تسبیح نہ کرتی ہو مگر تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے[2]) اور ہماری نماز کیا ہے؟ تمام مخلوقات کی عبادت پر مشتمل ہے

[1] و [2] ترجمہ از اکیڈمی

درخت سیدھا کھڑا ہے اور یادِ خدا میں مشغول ہے۔ اسی طرح مصلی بھی قیام کی حالت میں عبادت کرتا ہے۔ جانور سر جھکائے ہوئے ہیں۔ نمازی بھی رکوع میں سر جھکا کر یادِ الٰہی میں مصروف ہے۔ پہاڑ اپنی جگہ خاموش بیٹھا ہوا ہے التحیات پڑھتے وقت مصلی پہاڑ کا کام کر رہا ہے۔ بیلیں زمین پر پڑی ہوئی ہیں تو مصلی بھی سجدے کے وقت زمین پر سر رکھ کر عبادت کرتا ہے۔ غرض نماز جمادات۔ نباتات اور حیوانات کی عبادت پر مشتمل ہے

صاحبو! نماز میں کونسی عبادت ہے کہ نہیں؟ نماز میں کوئی کھا پی نہیں سکتا۔ یہ روزہ کا ایک حصہ یا رنگ ہے۔ بات نہیں کر سکتا یہ ایک قسم کا صومِ مریم ہے۔ تکبیر اس میں ہے بلکہ ہر فعل کے ساتھ تکبیر لگی ہوئی ہے جو خدا کی بزرگی کو ظاہر کرتی ہے۔ قرأت قرآن اس میں ہے تسبیح اس میں ہے۔ یعنی سبحان ربی العظیم۔ سبحان ربی الاعلیٰ التحیات کا کیا پوچھنا؟ معراج شریف کا نمونہ ہے اس کو عملی طور پر دکھاتا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم دربارِ الٰہی میں عرض کرتے ہیں التحیات للہ والصلوات والطیبات۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ السلام علیك ایها النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ چونکہ اس فرمودۂ الٰہی میں امتِ محمدی کا ذکر نہیں ہے اس لئے ان کے خیال سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم عرض کرتے ہیں۔ السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصلحین۔

صاحبو! یہاں تو صالحین کا ذکر ہے۔ ہم گنہگاروں کا تذکرہ کہاں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے "علینا" (بہ صیغہ جمع) فرما کر ہم گنہگاروں کو اپنے ساتھ لے لیا۔

صاحبو! نماز میں درود بھی ہے۔ اس میں اپنے لئے اور لوگوں کے لئے دعا بھی ہے۔ اور آخر میں اپنے دونوں جانب کے ہم جماعت لوگوں کے لئے دعائے سلامتی بھی ہے۔ قرآن میں ہے یٰاَهۡلَ الۡكِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشۡرِكَ بِهٖ شَيۡـًٔـا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا مِّنۡ

دُونِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (آل عمران - ۶۴) یعنی اے اہل کتاب! آؤ ایک سیدھی سادی بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں۔ کسی کی پوجا نہ کریں۔ کسی کو اللہ کا شریک نہ بنائیں اور تمہارے میں کے بعض، بعض کو خدا کو چھوڑ کر اپنا پروردگار نہ بنائیں۔ پس اگر وہ نہ مانیں اور روگردانی کریں تو تم کہدو۔ لوگو! تم گواہ رہو کہ ہم تو مسلمان ہیں۔

اب میں آپ کے سامنے مذہب سے علاقہ رکھنے والے حضرات کا ذکر کرتا ہوں اس میں موسوی، عیسائی اور مسلمان سب شریک ہیں۔ غرض کہ مذہب کے نام لیوا تین قسم کے ہوتے ہیں۔

(۱) مذہبی شخص۔ جو خدا کو صاحب امر اور صاحب حکم سمجھتا ہے اور خدا ہی کو قوانین مذہب کا مقنن سمجھتا ہے۔

مجلس مقننہ کا فرض ہے کہ اغراض و مقاصد و تمدن کو دیکھ کر قوانین منظور کرے اور حکام عدالت کا کام ہے کہ جو قوانین منظور کئے گئے ہیں ان کی پابندی کرائیں۔ قانون کے الفاظ سے تجاوز نہ کریں۔ ایک زمانہ میں سزائے تعزیری میں قاتل کے لئے صرف اتنا حکم تھا کہ مجرم کو پھانسی پر لٹکایا جائے گا۔ ایک مجرم کو پھانسی پر لٹکایا گیا۔ وہاں مجرم کا ہوشیار وکیل موجود تھا۔ اس نے فوراً چاقو سے پھانسی کی رسی کاٹ دی۔ اس کے بعد قانون کے الفاظ کی اصلاح کی گئی اور لکھا گیا کہ قاتل کو اس وقت تک پھانسی پر لٹکایا جائے گا کہ اس کی جان نکل جائے۔ حاکم عدالت کو حق نہیں کہ اغراض و مقاصد کا لفظ کہہ کر قانون کو رد کردے اور اس کا خلاف کرے۔ اسی طرح کوئی مذہبی آدمی احکام مذہب کی خلاف ورزی نہیں کرتا اور نہ اپنے خیالی اغراض و مقاصد کا نام لے کر احکام سے روگردانی کرنے کی جرأت کرتا ہے۔

(۲) قومی شخص۔ یہ ہر چیز میں سے اپنے خیال کے مطابق اغراض و مقاصد پیدا کرتا ہے اس کو اس کی پرواہ ہی نہیں ہوتی کہ کسی مذہبی حکم کی خلاف ورزی ہو جائے۔ اس سے کہا

جاتا ہے کہ نماز فرض ہے تو وہ جواب دیتا ہے کہ نماز سے مقصد خدائے تعالیٰ کی طرف توجہ کرنا ہے۔ ہم ہمہ تن خدائے تعالیٰ کی طرف متوجہ ہیں' تو اس ڈھانچہ کی کیا ضرورت ہے اور اس کی صورت سے کیا غرض؟ ڈھانچہ مذہبی حضرات کو مبارک! اس سے بیان کیا جاتا ہے کہ روزہ فرض ہے اور تم روزہ نہیں رکھتے؛ وہ جواب دیتا ہے کہ روزہ کا مقصد غریبوں کی بھوک کا احساس کرنا ہے۔ ہم اس کا احساس کرتے ہیں اور غریبوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ بس روزہ کا مقصد حاصل ہے۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ زنا حرام ہے۔ سخت ترین گناہ ہے۔ قومی شخص کہتا ہے کہ حرمتِ زنا سے مقصد لڑائی جھگڑا پیدا نہ ہونا ہے۔ اگر شوہر مصالحت کرے تو لڑائی جھگڑا ہرگز پیدا نہ ہوگا۔ اس واسطے عورتوں کا دوسروں سے تعلق پیدا کرنا جرم نہیں۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ حفظِ نسب فرض ہے۔ قومی شخص جواب دیتا ہے کہ اس سے مراد اولاد کی پرورش و تربیت ہے۔ ایک شخص اپنی بیوی کو چھوڑ کر جنگ پر جاتا ہے۔ اور اس میں ایک طویل زمانہ گذر جاتا ہے اور عورت کو بچے پیدا ہوتے ہیں۔ قومی لوگ قانون پاس کرتے ہیں کہ ان ناخواندہ مہمانوں کی پرورش کرنا اس کے خاوند پر واجب ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ یہ لوگ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (الانعام-۵۷) یعنی "حکم دینا صرف خدا کا کام ہے" پر یقین نہیں رکھتے۔ خدا کو حاکم علی الاطلاق اور احکم الحاکمین نہیں سمجھتے۔ وہ خود کو مقنن بھی سمجھتے ہیں، حاکم بھی سمجھتے ہیں۔ آج کل اس قسم کا طاعون ساری دنیا میں پھیل گیا ہے۔ مذہب کا نام ہے۔ کام نہیں۔ مگر یہ لوگ اپنے ہم مذہبوں کو چندہ دیتے ہیں۔ مدرسے بناتے ہیں۔ غیر مذہب والوں سے لڑائی جھگڑا ہوتا ہے تو اپنے ہم مذہب والوں کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ مذہب کی حمایت میں جان تک دینے تیار ہو جاتے ہیں۔

(۳) بین الاقوامی شخص۔ مختلف مذاہب سے اس کو جو مناسب معلوم ہوتا ہے لے لیتا ہے۔ اس کا مقولہ ہے۔ خذ ما صفا و دع ما کدر۔ رایج متاعِ نیک ہر دکان کہ باشد۔ (اچھا مال چاہے جس دکان میں مل جائے لے لو)[1]

[1] ترجمہ از اکیڈمی

وہ سرکاری قانون سے ڈرتا ہے اور قانونی سزاؤں سے بچتا ہے مگر قانونِ الٰہی کی اس کو پروا نہیں نہ وہ سزائے الٰہی سے ڈرتا ہے۔ وہ مسجدیں بناتا ہے اور اس کے آباد کرنے میں ساعی ہوتا ہے۔ مگر جب توریث کا مسئلہ آتا ہے تو سرکار میں لکھوا دیتا ہے کہ وہ ہندو لا کا تابع ہے۔ غرض بین الاقوامی مذہب کی طرف نسبت رکھنے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ دنیا کے معاملات میں مذہب کا کیا دخل؟ تمدن کیلئے ہمارے خیال میں جیسی جیسی ضرورت ہوگی ہم قوانین بنا لیں گے۔ مذہب جدا چیز ہے اور تمدن جدا۔

صاحبو! قومی مذہب اور بین الاقوامی مذہب والوں کی زبان پر جب دیکھو! قوم! قوم! لیکن آخر یہ قوم ہے کیا؟ اور کیا فرق ہے قوم اور فرقہ میں؟ آپ سب جانتے ہیں کہ انسان مدنی الطبع ہے۔ اکیلا انسان اپنی ضرورتوں کو پورا نہیں کر سکتا۔ کھانے کپڑے اور مکان کا محتاج ہے۔ اور ان کے حاصل کرنے کے لئے زراعت صنعت وتجارت، نجاری، حدادی، خیاطی نساجی (جولاہے کا کام) وغیرہ اور بہت سے امور سے واقف ہونے کی ضرورت ہے اور عملاً اس میں مہارت پیدا کرنے کی حاجت ہے۔ درندوں خصوصاً انسانی درندوں سے بھی حفاظت کی ضرورت ہے۔ لیکن ایک آدمی یہ سب کام تنہا نہیں کر سکتا۔ مجبوراً اس کو اپنے بنی نوع کی طرف احتیاج ہوتی ہے اور ان کے تعاون پر اس کی زندگی کا قیام ہے۔ جو لوگ باہمی تعاون اور معاہدات سے ایک دوسرے کی حفاظت اور اعانت کرتے ہیں، وہ سب ایک "قوم" سمجھے جاتے ہیں۔ جن لوگوں میں اس قسم کا اتحاد نہیں اور ان کا مرکز تعاون الگ ہے، وہ دوسری قوم خیال کئے جائیں گے۔

اسلام نے چونکہ فرق اسلامیہ کو باہمی تعاون کی تاکید سے ایک کر دیا ہے، اس لئے تمام مسلمانوں کی ایک ہی قوم ہے ؎

یہ رشتہ خدائی ہے کیا خوب رشتہ
مسلمان آپس میں ہیں بھائی بھائی

(حسرت صدیقی)

غرض عرب ہوں یا عجم' ہندوستانی ہوں یا افغانی' ایرانی ہوں یا تورانی سب ایک ہی قوم ہیں سہ

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

اسلام میں قومیت کی بنا رنگ پر ہے نہ زمین پر' خاندان پر ہے نہ زبان پر۔ ہم کو حکم ہے:
تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدہ ۲-۵)
یعنی تم ایک دوسرے کی نیکوکاری اور تقویٰ میں مدد کرو اور گناہ و تعدی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ اور ایک جگہ فرماتا ہے۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ (الحجرات۔۱۰) یعنی مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اگر ان میں لڑائی ہو جائے تو تم صلح کرا دو اور خدا سے ڈرو تاکہ خدا تم پر رحم کرے۔

صاحبو! فرقہ قوم کے چند افراد پر مشتمل ہوتا ہے۔ سب فرقے قوم ہی کے حصے ہیں جو باہم ایک دوسرے سے فرق و امتیاز رکھتے ہیں۔ مگر آج کل مسلمان کی کیا حالت ہے؟ یہ فرقہ تفرق پر مشتمل ہے۔ ایک دوسرے سے امتیاز حاصل کیا تو اس قدر کہ باہمی تعاون بھی باقی نہ رہا اور متحدہ قومیت بھی باقی نہ رہی۔ نہ حج ہے نہ زکوٰۃ' نہ روزہ ہے نہ نماز۔ اور اگر نماز ہے تو وہ بھی جدا جدا۔ حکم ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران-۱۰۳) یعنی اللہ کی رسی (اسلام) کو خوب مضبوطی سے پکڑے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ ہونے دو۔ مگر نہ وَاعْتَصِمُوْا پر عمل ہے اور نہ وَلَا تَفَرَّقُوْا کی اتباع' پھر ہم کس منہ سے کہیں کہ تمام مسلمان ایک قوم ہیں؟

صاحبو! بعض چیزیں مابہ الاشتراک ہوتی ہیں اور بعض مابہ الامتیاز۔ مشترک چیزوں میں شریک ہونے کے لئے کون مانع ہے؟ سب مذہب والے اگر اللہ کا نام مل کر لیں تو کون روکنے والا ہے؟ ایک چراغ کی روشنی کم ہوتی ہے۔ اگر دس' بیس' پچاس سو چراغ

لگ جائیں تو چراغاں ہو جائیں۔ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے جلسہ میں شریک ہوا اور جب ان کے پیدا ہونے کا ذکر آیا تو جہاں دوسرے عیسائی کھڑے ہو گئے میں بھی کھڑا ہو گیا۔

صاحبو! میں، مولوی الیاس برنی صاحب، مولوی سید لطف احمد صاحب اور کرنل حبیب علی صاحب سب مل کر بغرض حج و زیارت ہماری ایک چھوٹی سی "اخوان الصفا" کی جماعت نکلی تھی۔ ہم بغداد شریف، کربلائے معلیٰ، نجف اشرف، دمشق، فلسطین گئے۔ جب قدس میں پہنچے تو وہاں دو میلے تھے۔ ایک میلہ تو وہاں تھا جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مجروح ہونے کے بعد زمین پر لٹائے گئے تھے۔ زمین سے ایک آگ کا شعلہ نکلا۔ تمام عیسائی جمع تھے۔ ان کے ہاتھوں میں موم بتیاں تھیں۔ اس شعلہ سے لوگوں نے اپنی موم بتیاں سلگالیں۔ پھر ان بتیوں سے دوسروں نے اپنی اپنی بتیاں روشن کر لیں۔ اس جلسہ میں ہم بھی شریک تھے۔ کیا ہم کسی غیر آدمی کے واسطے جمع ہوئے تھے؟ نہیں! ہم تو اپنے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام کے واسطے جمع ہوئے تھے۔

دوسرا میلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عرس کا تھا۔ یہ میلہ آٹھ دس دن تک رہتا ہے۔ اور اس میں ہزاروں عورتیں، مرد، بوڑھے بچے سب شریک ہوتے ہیں۔ یہ میلہ بیت المقدس سے کچھ فاصلہ پر ہوتا ہے۔ اس میں تو ہم شریک نہ ہو سکے۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مزار مبارک کے پاس سے ایک جلوس نکلتا ہے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر شریف پہنچتا ہے ہم اس میں شریک تھے۔ عصر کے قریب ہم نے دریائی سفر کیا۔ اور ینبوع و مدینہ و مکہ معظمہ پہنچ کر حج و زیارت کا شرف حاصل کیا۔ ہم اس طویل سفر میں یہودیوں اور نصرانیوں سے ملے۔ میں ان کو یا اخی! یا اخی سے مخاطب کرتا تھا اور وہ مجھے یا عمی! یا عمی کہتے تھے۔ نہ لڑائی نہ جھگڑا۔ امن و امان سے ہمارا سفر انجام کو پہنچا۔ قرآن میں ہے لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ (البقرہ - ۲۵۶) ____ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ (الکہف - ۲۹) یعنی اسلام میں کچھ زبردستی

تو ہے نہیں۔ حق ناحق واضح ہے۔ ایک دوسرے سے ممتاز ہے۔ اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے ایمان نہ لائے، انکار کرے۔ "ایمان" یقین کا نام ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یقین فعل ہے۔ میں یقین کو انفعال سمجھتا ہوں۔ یعنی ایمان آجاتا ہے، یقین ہو جاتا ہے۔ ایمان کا آنا کوئی اختیاری فعل نہیں بلکہ غور و فکر کرنے سے نفس متاثر ہو جاتا ہے اور ایمان آجاتا ہے۔ یقین پیدا ہو جاتا ہے۔ اس میں زبردستی کو کیا دخل ہے؟ ان مشترک امور میں اگر مختلف مذاہب والے شریک ہوں تو کیا گناہ ہے؟ اللہ ہمارا، پیغمبر ہمارے، ان کے گن گانا ہمارا کام۔ عیسائی، یہودی، مسلمان سب مل کر اللہ اور اس کے رسولوں کی مدح و ثناء کریں تو کون مانع ہے؟

صاحبو! عیسائی، یہودی تو ایک طرف، خود مسلمانوں کے فرقے ایک دوسرے سے پھٹ گئے ہیں۔ نماز میں کونسے الفاظ ہیں، کون سے کام ہیں جن میں متفرق فرقے موافق نہیں؟ ان مشترک چیزوں میں کیوں فرقِ اسلامیہ باہم شریک نہیں ہوتے اور مل کر نماز نہیں پڑھتے؟ صحابہ میں اختلافِ رائے بھی تھا۔ مگر نماز سب مل کر پڑھتے تھے اب کیا بلا نازل ہو گئی ہے کہ کوئی کسی کے ساتھ نماز نہیں پڑھتا۔ خیر!

صاحبو! ہم نے ایک مرتبہ کوشش کی کہ مختلف خیال کے لوگ کسی طرح ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ ہماری تحریک کو بہت سے سمجھدار لوگوں نے قبول کیا۔ مسلمان شیعہ سنی، مہدوی، قادیانی، سلیمانی، داؤدی جمع ہو گئے۔ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب شیروانی کے زیرِ صدارت جلسہ ہوا۔ شیروانی صاحب نے فرمایا۔ یہ فرقے ایک دوسرے سے ملنے کے روادار نہیں۔ کیا آپ ان سب کے مذہب کو ایک کرنا چاہتے ہیں؟

میں نے عرض کیا۔ یہ اگر نماز مل کر نہیں پڑھ سکتے تو کیا مل کر روٹی بھی نہیں کھا سکتے؟ میں تو اسی میں خوش ہوں کہ یہ سب صاحب لوگ میری پکار پر تشریف لائے ہیں۔ میں نے مولوی سید بندہ حسن صاحب کو دیکھا اور کہا۔ میں آپ کو دیکھ کر خوش ہو رہا ہوں اور مولوی فتح اللہ صاحب کو بھی دیکھ کر خوش ہو رہا ہوں۔ اسی طرح میں ہر ایک کو دیکھتا

تھا۔ خوش ہوتا تھا اور اپنی خوشی کا اظہار کرتا تھا۔ مولوی سید بندہ حسن صاحب نے کہا۔ اے صدیقی! میں بھی تم کو دیکھ کر خوش ہو رہا ہوں۔ مولوی فتح اللہ صاحب نے بھی فرمایا صدیقی صاحب! میں بھی آپ کو دیکھ کر خوش ہو رہا ہوں۔ ہر ایک صاحب نے میری خوشی کے جواب میں اپنی خوشی ظاہر کی۔ پس مجلس "اتحاد المسلمین" قائم ہوگئی۔ اجلاس کا صدر حاضرین مجلس میں سے ایک شخص منتخب کرلیا جاتا تھا اور یہ مجلس باری باری سے ہر ایک شریک کے گھر میں قائم ہوتی تھی۔ سب مل کر ہنستے بولتے، چائے لیمن اڑاتے اور غیر مذہبی تحریکات کو پیش کرتے۔ ان پر غور کیا جاتا کہ ہم کس طرح زندہ رہیں گے؟ اور کیا کھا کر جئیں گے؟ ان لوگوں میں میں سب سے زیادہ معتبر تھا۔ لوگ چاہتے تھے کہ میں صدر بنایا جاؤں۔ میں تحریک کرتا تھا کہ اس اجلاس میں فلاں نوجوان صاحب صدر بنائے جائیں۔ میری تائید سید بندہ حسن صاحب فرماتے تھے۔ میں کہتا تھا "جناب صدر کو اس مسئلہ پر توجہ دلاتا ہوں"۔ بچے اس سے ترساتے۔ ہم بوڑھے خوش ہوتے اور کہتے تم لوگ ہمارے سامنے کام کرو۔ ہم چند روزہ ہیں۔ تم کو دنیا میں جینا ہے۔ تم کو اپنا پروگرام تیار کرنا چاہئے اور اس پر کاربند ہونا چاہئے۔ یہ مجلس ایک زمانے تک قائم رہی۔ ایک دفعہ ہندو فرقہ میں اور دوسرے مسلمانوں میں نا چاقی پیدا ہوگئی اور قتل و کشت تک نوبت آگئی۔ نواب بہادر یار جنگ نے فرمایا "میاں" کو بلوا کر لاؤ یعنی محمد عبد القدیر صدیقی کو۔ صدیقی وہاں پہنچا۔ میں نے کہا کہ ہم بڑی مشکل سے ایک جگہ پر جمع ہوئے ہیں۔ میں ان دونوں لڑنے والی جماعتوں کے درمیان کھڑا ہو جاتا ہوں اولاً مجھے مار ڈالیں پھر ع

بعد از سر من کن فیکون شد شدہ باشد۔

(میرا سر جانے کے بعد جو ہوتا ہے ہو جائے[1])

دونوں جماعتوں نے کہا آپ پر کون ہاتھ اٹھا سکتا ہے؟ اور لڑائی رفع دفع ہوگئی۔

صاحبو! کیا میں ساری دنیا کو رونے کے لئے پیدا ہوا ہوں؟ کیا میرے پاس خوشی بھی آئے گی؟ کچھ نہیں تو مولوی الیاس برنی صاحب، مولوی سید لطف احمد صاحب

[1] ترجمہ ۔۔۔

اور کرنل حبیب علی صاحب اور دیگر میرے ہم خیال اخوان الصفا کے ارکان جمع ہوں گے۔ آپس میں خوشی سے بات چیت کریں گے۔ دلی رنج کی وجہ سے اگر خوشی کا نعرہ نہ نکل سکے گا تو ہم مصنوعی اور فرمائشی قہقہوں سے اپنا غم غلط کریں گے۔

صاحبو! آج کل ایک فرقہ نکلا ہے جو حدیث کو نہیں مانتا۔ صرف قرآن کو مانتا ہے۔ اور اپنا نام اہل قرآن رکھتا ہے۔ یہ کیوں؟ اس واسطے کہ احادیث موضوع بھی ہیں اور ضعیف بھی۔ قرآن یقینی ہے۔ لَا رَیْبَ فِیْہِ (اس میں کچھ شک نہیں ہے۔) کیا تمام حدیثیں موضوع اور ضعیف ہیں؟ نہیں! بعض موضوع ہیں اور بعض ضعیف۔ جو حدیثیں موضوع اور ضعیف نہیں ہیں، ان کے ماننے میں کیا عذر ہے؟ مگر اس جھنجھٹ میں کون پھنسے؟

دیکھو سرکاری قوانین میں قانون تعزیرات بھی ہے اور ضابطۂ فوجداری بھی۔ قانونِ تعزیرات پر عمل کرنے بیٹھیں گے تو ضابطۂ فوجداری کی ضرورت پڑے گی۔ اسی طرح قرآن پر عمل کرنا چاہو گے تو حدیث شریف کی ضرورت ہو گی۔ بھلا بتاؤ صبح کی کتنی رکعتیں ہیں؟ ظہر، عصر، مغرب و عشا میں کتنی ہیں؟ قرآن شریف میں ان کی تفصیل کہاں ہے؟ تفصیل تو احادیث ہی میں ملتی ہے۔

صاحبو! حدیثیں تین قسم کی ہیں۔

(۱) متواتر۔ خواہ بلفظہ ہوں خواہ بالمعنی۔ یہ ایسی روایتیں ہیں جن کو اتنے لوگوں نے روایت کیا ہے کہ عقل باور نہیں کرتی کہ ان سب لوگوں نے جھوٹ پر اتفاق کیا ہو۔

(۲) مستفیض۔ وہ حدیثیں جن کو متعدد لوگوں نے روایت کیا ہے۔ مگر یہ تواتر کی حد کو نہیں پہنچتیں۔ تاہم ان سے بھی ظن غالب ہوتا ہے۔ دنیا کے تمام کام ظن ہی پر چلتے ہیں۔ یقینیات پر اپنے کام موقوف رکھو گے تو جینا دشوار ہو جائے گا جان آفت میں پڑ جائے گی۔

(۳) خبر آحاد۔ ایسی خبر جس کو ایک دو آدمیوں نے روایت کیا ہو۔ سارے جھگڑے خبر آحاد ہی میں پڑتے ہیں۔ متواتر اور مستفیض میں مجال سخن نہیں۔ کون کہتا ہے کہ بلا تحقیق ہر خبر آحاد کو مان لو۔ ہم کو تو حکم ہے اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا (الحجرات۔۶)

یعنی اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تم اس کی تحقیق کرو، چھان بین کرو۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ ہر مدعی روایت کو اصول شہادت پر جانچتے۔ یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں سے کوئی روایت ہو تو اس کو قبول کرتے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عادت تھی کہ راوی کو قسم دیتے اور قسم کو ایک گواہ کا قائم مقام سمجھتے۔ اب تو احادیث موضوعہ جمع اور طبع کردی گئی ہیں۔ حدیث کی بڑی بڑی کتابوں میں لکھا جاتا ہے کہ فلاں فلاں حدیث ضعیف ہے۔ اسماء رجال میں راویوں کے حالات کی تحقیقات کی جاتی ہے۔ بہت سی کتابیں چھوٹی ہیں مگر منقح ہیں اور ضعیف احادیث سے پاک ہیں۔

عما جو! خدا و رسول کی محبت ہے تو تم بھی احادیث رسولؐ پر غور و فکر کرو۔ تنقید کرو، تحقیق کرو، تدقیق کرو۔ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے۔ ابتدا سے انتہا تک، ماضی سے حال تک علماء اجتہاد کرتے چلے جارہے ہیں۔ ہمت ہے تو تم بھی کچھ کام کرو اچھا کام کرو تو ہم بھی داد دینے کے لئے تیار ہیں۔ ہاں دیکھو! یہ کہنا کہ ہم حدیث کو نہیں مانتے اس بات کے مترادف ہے کہ ہم رسولؐ خدا کو نہیں مانتے، ان پر ایمان نہیں رکھتے۔ ان کی شان ہے۔ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (النجم ۳۴) یعنی آپ اپنی نفسانی خواہشات سے کچھ نہیں کہتے مگر یہ کہ یہ تو صرف وحی ہے جو ان پر کی جاری ہے۔ اس سے انکار خود قرآن کریم سے انکار کرنا ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ (النساء-۶۴) یعنی ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ بحکم خدا اس کی اطاعت کی جائے۔ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا (الحشر-۷) یعنی اور پیغمبر تم کو جو کچھ دے اس کو لے لو اور جس چیز سے منع کرے اسے چھوڑ دو، باز رہو۔ اصل میں یہ لوگ قومی یا بین الاقوامی مسلمان ہیں۔ اپنے اغراض و مقاصد پورا کرنے کے لئے قرآن کو اپنا سپر بنا رہے ہیں۔ قرآن کو بھی موڑ توڑ کر اپنی غرض کے مطابق اس کے معنی نکالنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ان کو رسول سے غرض نہیں تو قرآن سے کیا سروکار؟

صاحبو! قرآن و حدیث سمجھنے کے لئے عربی کی ضرورت ہے۔ نحو و صرف کی حاجت ہے۔ اصولِ فقہ سے استغنا نہیں۔ اسمائے رجال سے واقفیت لابد ہے۔ دیگر مجتہدین کی آراء سے آگاہی ناگزیر ہے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ ہمت ہے تو کچھ کام کر کے دکھلاؤ۔ نری لفاظی کام نہیں آتی۔ خدا سے ڈرو، اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ خدا کو منہ دکھانا ہے۔ اس کو اپنے کاموں کا جواب دینا ہے۔ خیر! خدا سب کو اعمالِ حسنہ کی ہدایت دے۔ اور توفیقِ نیک عطا فرمائے۔

اب میں اسلام کے بنیادی اصول بیان کرتا ہوں جن سے کوئی صاحبِ عقلِ سلیم اور حاملِ فہمِ مستقیم انکار نہیں کر سکتا۔

اسلام کا پہلا بنیادی اصول توحید ہے۔

(۱) توحید

توحید صاحبو! دنیا کے تمام اختلافات کی جڑ معبودوں کا جدا جدا ہونا ہے۔ اللہ رب الارباب ہے۔ سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے۔ وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ یعنی اللہ ہی کی طرف تمام کاموں کا رجوع ہے۔ (البقرہ ۲۱۰) مسلمانوں کے پاس کیا ہے؟ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ یعنی اے مخاطب تم کہدو کہ اللہ ایک ہے اور ہر طرح سے ایک ہے۔ اس کے اجزا نہیں۔ وہ مرکب نہیں اَللّٰہُ الصَّمَدُ یعنی اللہ بے نیاز ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ سب اسی کے محتاج ہیں۔ خدا کا وجود بالذات ہے، ذاتی ہے۔ ماسوا اللہ کا وجود بالعرض ہے، خدا کا عطیہ ہے۔ کوئی بالعرض بغیر بالذات کے موجود نہیں ہو سکتا۔ اس کی ایک گونہ تفصیل آئندہ کی جائے گی لَمْ یَلِدْ یعنی اس کے بچے نہیں، اس نے کسی کو جنا نہیں۔

دوستو! بعض بچوں کے پیٹ میں سے کیچوے نکلتے ہیں، کدو دانے خارج ہوتے

ہیں۔کیا وہ آدمی کے بچے ہیں؟ ہرگز نہیں! باپ بیٹے میں کچھ تو مناسبت ہو۔ اچھا! پھر سپوت اولاد وہ ہے جو باپ سے زیادہ کام کرے۔ پوت وہ ہے جو باپ کے برابر کام کرے۔ کپوت وہ ہے جو نالائق ہو، بیکار ہو۔ خدا نے آسمان بنایا، زمین بنائی۔ کسی اور نے بنایا ہی کیا جو خدا سے زیادہ کوئی کام کرتا۔ لہٰذا خدا کا کوئی سپوت نہیں۔ اس کے برابر بھی کوئی کام نہیں کر سکتا۔ اس لئے اس کا پوت بھی نہیں ہو سکتا۔ کپوت اولاد سے تم بھی راضی نہیں تو بھلا کس طرح خدا کی اولاد ایسی ہو سکتی ہے اور اس کی شایانِ شان بن سکتی ہے۔ وَلَمْ يُوْلَدْ یعنی خدا کو کسی نے جنا نہیں۔ وہ خود کسی کی اولاد نہیں۔ باپ پہلے ہوتا ہے بیٹا بعد۔ خدا تو سب سے پہلے ہے۔ اس سے پہلے کوئی نہیں ہو سکتا۔ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (الاخلاص) یعنی اس کی جوڑ کا، اس کے برابر کا کوئی نہیں۔ بیوی کی خواہش حیوانی جذبہ کا نتیجہ ہے۔ خدائے تعالیٰ اپنی خلافِ شان چیزوں سے پاک ہے، مبرّا ہے۔ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (الطور ۵۲ ع ۲) پس خدائے تعالیٰ ان تمام چیزوں سے پاک ہے جن کے متعلق منکر شرک کیا کرتے ہیں۔

صاحبو! کسی جماعت میں چند طالب علم بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک طالب علم دوسرے طالب علم پر آ گرا۔ وہ بگڑ گیا اور پوچھنے لگا کہ تم مجھ پر کیوں گرے؟ تم نے مجھے کیوں دھکا دیا؟ وہ کہتا ہے۔ میں اپنے سے نہیں گرا۔ دوسرے نے مجھے دھکا دے کر تم پر گرا دیا۔ جس سے پوچھتا ہے وہ یہی کہتا ہے کہ میں اپنے سے نہیں گرا۔ بلکہ دوسرے نے دھکا دے کر گرایا۔ وہ بچہ جس کو دھکا دیا گیا تھا کبھی قبول نہیں کرتا اور کہنے لگتا ہے۔ ضرور کسی نے شرارت کی ابتدا کی ہے۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ یہ بچہ کیوں قبول نہیں کرتا؟ کیوں اصرار کرتا ہے کہ کسی نے شر کی ابتدا ضرور کی ہے۔ اس کی فطرت، اس کی عقلِ سلیم انکار کرتی ہے کہ کوئی بالعرض بغیر بالذات کے موجود ہو۔ اسی طرح ہماری عقلِ سلیم بھی کبھی قبول نہیں کرتی کہ ہمارا وجود بالعرض بغیر وجود بالذات کے بھی ہو سکتا ہے۔ غرض خدا کا ہونا اور اس کا وجود عقلِ انسانی میں ضرور ہے۔

صاحبو! ذرا پڑھو۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ (الناس) یعنی اے مخاطب تم کہو میں پناہ لیتا ہوں سب لوگوں کے پروردگار کی۔ وہ صرف سب کا پالنے والا، پرورش کرنے والا ہی نہیں بلکہ سب کا بادشاہ بھی ہے سب کا حاکم سب کا مقتدر اعلیٰ بھی ہے۔ اور صرف سب کا بادشاہ ہی نہیں بلکہ سب کا معبود بھی ہے۔ ان کا اِلٰہ بھی ہے۔ مگر پناہ کس سے؟ اس سے جو اس کے خیال سے پھیرنا چاہے۔ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ (الناس) یعنی ایسے وسوسے ڈالنے والے کے شر سے میں پناہ مانگتا ہوں جو وسوسے ڈال کر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

صاحبو! بچہ پیدا ہوتا ہے تو ماں کو جانتا ہے نہ باپ کو اور نہ آیا کو۔ اس کی نظر تک نہیں ٹھہرتی تو کس کو دیکھے گا؟ لیکن اس کی فطرت، اس کی طبیعت، اس کی انسانیت یہی کہتی ہے کہ اس کی بھوک میں کام آنے والا کوئی ہے ضرور جب ہی تو وہ منہ پھاڑ پھاڑ کر چو طرف اپنے پالنے والے کو ڈھونڈتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے، پالنے والا ہے، جو اس کو دودھ دے گا، اس کی پرورش کرے گا۔ وہ سمیع بھی ہے، بصیر بھی ہے اور خبیر بھی۔ اس کے رونے کو سنتا ہے۔ اس کی بے قراری کو بھی دیکھتا ہے اور وہ اس کے ہر حال سے واقف ہے۔

چند روز کے بعد بچہ کی نظر ٹھہرتی ہے تو وہ ماں کو بھی دیکھتا ہے اور باپ کو بھی۔ مگر وہ اپنی نادانی کی وجہ سے ماں اور باپ کو اپنا رب سمجھتا ہے۔ اپنا پالنے والا جانتا ہے۔ پہلا جذبہ فطری تھا۔ بعد حضرتِ عقل کا دھوکا ہے۔ بچہ اور بڑا ہوتا ہے۔ باپ کو بھی پہچانتا ہے اور اس کے کاموں کو دیکھنے لگتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا باپ کماتا ہے اور اس کی ماں کو دیتا ہے جو اس کو دودھ پلاتی ہے، کھانا کھلاتی ہے۔ پس اس کا اور اس کی ماں کا پالنے والا اس کا باپ ہے۔ پھر تھوڑا سا غور کرتا ہے تو سمجھتا ہے کہ اس کا باپ بادشاہ یا سرکار کے پاس ملازم ہے۔ سرکار دیتی ہے تو اس کا باپ بھی پلتا ہے، ماں بھی اور خود بھی لہٰذا بادشاہ ہی رب ہے۔ جب اور ذرا عقل بڑھتی ہے تو بادشاہوں کے حال پر غور

کرتا ہے۔ اور دیکھتا ہے کہ ایک بادشاہ مرجاتا ہے اور اس کی حکومت دوسروں کو چلی جاتی ہے۔ وہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کا' بادشاہوں کو پالنے والا یعنی رب سمجھنا غلط ہے۔ بلکہ ہمارا کوئی اصلی بادشاہ بھی ہے۔ اور یہی معنی ہیں مَلِكِ النَّاسِ کے۔

دیکھو! بچہ پھر غور کرتا ہے۔ مزید فکر کرتا ہے۔ خوب سوچتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ انسان فانی ہے' مرجانے والا ہے وہ کیوں رب ہو سکتا ہے؟ وہ کیا حقیقی بادشاہ ہو سکتا ہے؟ پھر اس کے دل میں خیال آتا ہے کہ یہ عناصر' یہ آگ' پانی' ہوا' مٹی تمام انسانوں کی اصل ہیں۔ اس واسطے ان ہی چیزوں کی پوجا کرنے لگتا ہے۔ نظر اٹھا کر دیکھتا ہے تو یہ سمجھتا ہے کہ دنیا میں جو تغیر ہوتا ہے وہ سب ستاروں کے اثرات سے ہے۔ پس ستارہ پرستی کرنے لگتا ہے۔ پھر جب مزید غور کرتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب مادیات ہیں جو بے علم وارادہ ہیں۔ کیونکہ مادّہ کی خصوصیات یہ ہیں کہ وہ ساکن ہے تو ساکن جب تک کوئی متحرک نہ کرے۔ متحرک ہے تو متحرک جب تک کوئی ساکن نہ کر دے۔ مادّہ میں علم وارادہ کہاں؟ تمام ستارے اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ کیا مقدور کہ وہ حرکت کرنا چھوڑ دیں۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم پر حکومت کرنے والا کوئی صاحب علم وارادہ ہے۔ بعض دفعہ اس کے دل میں آتا ہے کہ یہ سب قوتوں کا کھیل ہے۔ پھر اس کی سمجھ میں آجاتا ہے کہ ان سب قوتوں کا مرجع ایک ہی ہے۔ وہی بالذات موجود ہے۔ وہی علم وحکمت والا ہے۔ یہ معنی ہیں اِلٰهِ النَّاسِ کے اس کے دل میں مختلف وسوسے آتے ہیں مگر وہ زیادہ دیر تک ٹھیر نہیں سکتے۔ آخر فطرت غالب آجاتی ہے۔ جس طرح پیدا ہونے پر خدا کو علیم' سمیع' بصیر' قدیر سمجھتا تھا اب پھر وہی سمجھنے لگتا ہے اور یہ ہیں معنی هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ کے (حدید-۳)

صاحبو! اب میں چند اہم اور ضروری مسائل کو زیر قلم لاتا ہوں۔ دیکھو! نلوں میں سے پانی نکل رہا ہے۔ کیا ان نلوں میں خود پانی پیدا ہوا یا ان کا بھی کوئی مرکز ومنبع ہے؟ کیوں نہیں! تالاب سے نلوں میں پانی آرہا ہے اور تالاب ان کا منبع ومرکز ہے۔ اسی طرح

تمام مخلوقات کے کمالات کا منبع ذاتِ خداوندی ہے۔

ابھی اوپر بیان کیا گیا کہ بالعرض کا وجود بغیر بالذات کے محال ہے۔ خدا کا وجود بالذات ہے، اس کے کمالات ذاتی ہیں تو ممکنات، مخلوقات کو جو کچھ ملتا ہے، اسی جواد کریم سے ملتا ہے۔ یہ علم کس سے ملا؟ سب کے علم کا مرجع بھی ذاتِ خداوندی ہے۔ اس سے بڑھ کر نادانی کیا ہوگی کہ خدا کو نادان سمجھیں۔ لہٰذا خدائے تعالیٰ سب چیزوں کو جانتا اور ان سے واقف ہے۔

اچھا! کیا خدائے تعالیٰ سب چیزوں کو جان کر پیدا کرتا ہے یا پیدا کرنے کے بعد جانتا ہے کہ اس نے ان چیزوں کو پیدا کیا؟ نہیں! تمام مخلوقات کو جان کر پیدا کرتا ہے۔ پیدا کرنے کے بعد جاننے سے قبلِ خلق جہل لازم آتا ہے سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (بنی اسرائیل۔۴۳) یعنی خدائے تعالیٰ ان تمام عیوب سے بہت ہی پاک اور اعلیٰ و ارفع ہے جو نادان لوگ اس پر لگاتے ہیں۔ جب اللہ جان کر پیدا کرتا ہے تو تمام حقائقِ اشیاء، تمام چیزیں قبلِ خلق علمِ الٰہی میں تھیں اور خدائے تعالیٰ چیزیں جیسی تھیں ان کو ویسا ہی جانتا تھا۔ جیسا معلوم ہوگا ویسا ہی علم ہوگا۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ چیز کچھ اور ہو اور خدا جانے کچھ اور۔ یہ تو صریحاً جہلِ مرکب ہے جو عیب ہے۔ اور خدا ہر عیب سے پاک ہے۔

آنکس کہ نداند و بداند کہ بداند

در جہلِ مرکب ابدالدہر بماند

(ایسا شخص جو نہیں جانتا اور سمجھتا ہے کہ جانتا ہے تو وہ ہمیشہ جہلِ مرکب میں پڑا رہتا ہے)[ع]

اچھا یہ تو بتاؤ۔ خدا جب چور کو پیدا کرتا ہے، ڈاکو کو بھی پیدا کرتا ہے تو کیا اچھے خاصے آدمی کو چوری دیتا ہے یا اس سے ڈاکہ ڈلواتا ہے؟ نہیں! خدا چور اور ڈاکو کو پیدا کرتا ہے۔ چور اپنی طبیعت کے اقتضا کے موافق چوری کرتا ہے۔ اسی طرح ڈاکو کو بھی پیدا کرتا ہے اور وہ اپنی طبیعت کے اقتضا کے مطابق ڈاکہ مارتا ہے۔

ع ترجمہ از اکیڈمی۔

نیش عقرب نہ درپئے کیں است
مقتضائے طبیعتش ایں است (سعدیؒ)

(بچھو کسی کو دشمنی کی بنا پر ڈنک نہیں مارتا بلکہ اس کی طبیعت کا یہی مقتضا ہے)
سب مخلوقات اپنی اپنی فطرت کے موافق کام کرتے ہیں۔ اچھا! باپ پہلے پیدا ہوگا یا بیٹا؟ نہیں پہلے باپ ہوگا اور پھر بیٹا۔ کیا پیدا ہونے میں بھی کوئی ترتیب ہے؟ کیوں نہیں! تم کوئی جلسہ کرتے ہو تو پہلے اس کا ایک پروگرام، ایک نظام العمل تیار کرتے ہو۔ پھر اس کے مطابق جلسہ کی کارروائیاں ہوتی ہیں۔ اسی طرح خدائے تعالیٰ کے پاس ساری دنیا کے پیدا کرنے کا بھی ایک پروگرام ہے۔ ایک باضابطہ نظام العمل ہے۔ ہر چیز کو اس کے وقت پر پیدا کرتا ہے۔ پہلے کو پہلے اور بعد کو بعد۔ یہی اس کے علیم و حکیم کہلانے کا سبب ہے۔ اس نظام العمل کا نام کیا ہے؟ "تقدیر" یا "قدر"۔ اور جب خدائے تعالیٰ تقدیر یا نظام العمل کے مطابق ہر چیز کو پیدا کرتا ہے تو اس کو "قضا" کہتے ہیں۔

صاحبو! ایک اور مسئلہ پر بھی ذرا غور کرو۔ انجنیر گھر بناتا ہے۔ اس کا ایک نظام ہے۔ گھر میں آرام کا کمرہ، ملاقات کا کمرہ، باورچی خانہ، پاخانہ بھی ہے۔ ہم اضافی طور سے آرام کے کمرے اور ملاقات کے کمرے کو حمام اور باورچی خانہ سے بہتر سمجھتے ہیں اور پاخانہ کو سب سے بدتر جانتے ہیں۔ مگر ذرا انجنیر سے پوچھو۔ اس کے گھر کے نظام کے لحاظ سے ہر چیز اپنے مقام پر ضروری ہے۔ گھر میں پاخانہ نہ ہوگا تو سارا گھر پاخانہ ہوجائیگا لہٰذا خدائے تعالیٰ کی حکمت بالغہ کی وجہ سے اس نے جو کچھ پیدا کیا اچھا ہی پیدا کیا۔ برائی کو اس کی حکمت بالغہ کے پاس رسائی نہیں۔ ؎

دیتا ہے ہر اک کو حکیم — جس کی جیسی طبیعت ہے
وہی نمایاں ہوتا ہے — جس کی جیسی فطرت ہے (حضرت صدیقی)

سُبْحَانَ اللّٰہ! وہ بدنظمی سے پاک ہے۔ دنیا کی رنگارنگی اور بوقلمونی سب اس

؎ ترجمہ از اکیڈمی

کی حکمت و قدرت کے تماشے ہیں۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (آل عمران:۱۹۱) یعنی اے ہمارے پروردگار! تو نے کوئی چیز بیکار اور فضول نہیں پیدا کی۔ خدا کو نادان سمجھنا، غیر حکیمانہ کام کرتا ہے خیال کرنا نادانی ہے، جہالت ہے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔

اَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيٰطِيْنِ (المؤمنون-۹۷) پناہ بخدا! شیاطین کے وساوس سے اللہ ہی بچائے۔ ارشادِ باری ہے۔ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (ابراہیم-۲۲) مجھے برا بھلا کیا کہتے ہو، کیوں ملامت کرتے ہو۔ برا بھلا ہی کہنا ہے تو اپنے آپ کو کہو۔ خود کو ملامت کرو۔

صاحبو! اسلام کا دوسرا بنیادی اصول رسالت ہے۔

(۲) رسالت

رسالت بعثتِ نبوی کے قبل دنیا میں جہالت و ضلالت کی سخت تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ مجوسی آتش پرستی میں گرفتار تھے۔ صابئین ستارہ پرستی میں مشغول تھے۔ مشرکین اپنے ہاتھوں سے بت بناتے اور ان کو خدا سمجھتے تھے۔ خود کعبۃ اللہ شریف میں تین سو ساٹھ بت بٹھا رکھے تھے۔ یہ تو وہ تھے جو خدائے تعالیٰ کو کچھ نہ کچھ مانتے ضرور تھے۔ مگر اس زمانے میں دہریت کے قائل اور خدا کے وجود سے انکار کرنے والوں کی بھی کچھ کمی نہ تھی۔

الحاصل یہ دور اعتقادیات کی خرابی کا ایک نمونہ تھا۔ اخلاق و تمدن کی تباہی و بربادی تو ناگفتہ بہ تھی۔ ایک عورت کے کئی خاوند ہوتے۔ باپ اپنی بیٹی سے، بیٹا اپنی علاتی ماں سے شادی کرتا۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کرتے۔ عورتیں بالکل محروم الارث، بلکہ ستی کی رسم زندہ ہی کب رکھی کہ وراثت تک نوبت پہنچتی۔ چوری، حرام کاری، شراب خواری، سود خواری، قمار بازی عام تھی۔ ذرا ذرا سی بات پر جدال و قتال کا بازار گرم رہتا۔ ایک کے عوض ہزار

کو قتل کر دیتے اور جنگ کہیں ختم ہونے کا نام تک نہ لیتی۔ غرض کہ جہالت کی حکومت تھی اور ضلالت کی سلطنت۔ دنیا فسق و فجور سے معمور تھی اور اہل دنیا شراب غفلت سے مخمور۔ چونکہ عادتِ خداوندی اسی طرح جاری ہے کہ قحط کے بعد سرسبزی، خزاں کے بعد بہار، تاریکی کے بعد روشنی اور ظلمت کے بعد نور عطا ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ وقت تھا کہ خدائے تعالیٰ ضلالت کے بعد ہدایت جہالت کے بعد علم و معرفت عنایت فرماتا اور بندوں کو جو وادیٔ کفر و فسق میں سرگشتہ ہو رہے تھے شاہراہِ ایمان و اذعان کی طرف ہدایت کرنے کے لئے رسول کو مبعوث کرتا۔

محل نبوت کے لئے مکہ کی اہمیت

یہ سب کو معلوم ہے کہ مکۂ معظمہ نافِ زمین کہلاتا ہے۔ اور یہ شہرت خلافِ واقعہ بھی نہیں کیوں کہ عرب کی ایک جانب ایشیا، دوسری جانب یورپ اور تیسری جانب افریقہ ہے لہٰذا وسط سے تمام جوانب میں علم و معرفت کا پہنچنا آسان اور مرکز سے اقطاعِ عالم تک نورِ ہدایت کا ایصال سہل تھا۔ نیز اس زمانے میں چونکہ نہر سوئز کھدی نہ تھی۔ اس لئے تجارت ذریعۂ بین عرب کے ذریعہ ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے عرب کے ذریعہ یورپ، افریقہ اور ایران و ہندوستان کو خبرِ رسالت کا وصول سہل الحصول تھا۔

شہر مکہ میں ہر مذہب و فرقہ کے لوگ یہود و نصاریٰ، صابئین، مجوسی، بت پرست اور دہریے موجود تھے، جن کی تردید اور جن سے مناظرہ دوسرے کسی اور مقام میں دشوار اور دور از کار تھا۔ نیز عرب کی حالت بہ نسبت اور متمدن اقوام کے بد سے بدتر ہو رہی تھی اور بہ مشکل یہ جنگجو سخت مزاج قوم کسی غیر شخص کے سامنے گردنِ تسلیم خم کرتی۔ نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند اسحاق علیہ السلام کے خاندان میں بہت سے اولو العزم رسول اور نبی پیدا ہو چکے تھے اور عرب مستعربہ جو خدامِ کعبہ اور مدعیِ ملتِ ابراہیمی و نیز حضرت ابراہیم کے بڑے فرزند حضرت اسماعیل کی اولاد تھے۔ اس عظیم الشان شرف اور مرتبۂ نبوت و امامت سے محروم رہ جاتے اگر ان میں کوئی رسول مبعوث نہ ہوتا۔ لہٰذا حکمتِ الٰہی اس امر کی مقتضی ہوئی کہ فاران کی چوٹیوں اور مکہ کی سرزمین

سے ایک آفتابِ نبوت و رسالت طلوع کر کے روئے زمین سے جہالت و ضلالت اور فسق و فجور کی ظلمت کو دور اور اسے نورِ ہدایت و معرفت سے معمور کر دے

اصلاح اور تکمیلِ خلق

واضح ہو کہ انسان تین قسم کے ہوتے ہیں - ادنیٰ - اوسط - اعلیٰ - (۱) ادنیٰ تو وہ ہیں جن کے قوائے عقلیہ و عملیہ ناقص ہیں اور وہ خواہشات نفسانی و لذاتِ جسمانی میں منہمک رہتے ہیں - یہ عوام ہیں (۲) اوسط وہ اشخاص ہیں جو خود کامل بذاتہ ہیں - ان کے صفات پسندیدہ، ان کے عادات برگزیدہ مگران کا اثر متعدی الی الغیر نہیں (۳) اعلیٰ وہ افراد ہیں جو نہ صرف خود بذاتہ اعلیٰ صفات و اکمل عادات رکھتے ہیں بلکہ ان کے انوارِ تعلیم سے سرگشتگان وادیٔ جہالت شاہراہ ہدایت پر آجاتے ہیں - وہ دوسروں کی قوتِ نظری و عملی دونوں کی تکمیل کرتے ہیں - اور یہ ظاہر ہے کہ کمالاتِ قوتِ نظری میں سے معرفت اور قوتِ عملی میں سے اطاعتِ حق تعالیٰ رئیسِ کمالات ہے - جو شخص معرفت و اطاعتِ حق میں جس قدر کامل ہوگا اسی قدر وہ معرفت و اطاعتِ حق کے لئے فیض رساں بھی ہوگا - اور جو شخص دوسروں کی تکمیلِ معرفت و اطاعتِ حق، افضل و اعلیٰ طریقہ پر کرے گا اسی کے درجاتِ نبوت اکمل و اعلیٰ ہوں گے -

یہ تو ہم نے بیان کر دیا ہے کہ قبلِ بعثت محمدی دنیا شرک و کفر اور تثلیث و بت پرستی، ظلم و ستم، فسق و فجور میں غرق تھی - توحید و معرفت، اخلاص و اطاعت الفاظ بلا معنی، اسمائے بلا مسمیٰ تھے - حضرت کی بعثت کے بعد دنیا کا کیا حال ہوا؟ چشم انصاف سے دیکھو گے تو معلوم ہو جائے گا کہ دنیا کا انقلاب باطل سے حق، ظلمت سے نور، کذب سے صدق، کفر سے ایمان، شرک سے توحید کی طرف ہو گیا ہے اور اس ذاتِ مطہرہ کے اثرِ تعلیم سے ایک بہت بڑی تعدادِ بشری کی قوت نظری و عملی کی تکمیل ہو گئی ہے - اگر کوئی شخص عقل کی آنکھوں سے تعصب و عناد کا پردہ ہٹا کر دیکھے تو اس پر یہ ثابت ہوگا کہ حضرات نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰ علیہ السلام نے جس قدر اصلاحِ نوعِ بشر اور تکمیلِ قوت و عمل نظر کی ہے، اس سے کہیں زیادہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے، اور اس کے پاک اثر سے ہوئی -

صاحبو! تم تمام انبیاء کی نبوت کو جس معیارِ امتحان پر آزماتے ہو اسی پر حضرت کی تعلیم وارشاد اور تکمیلِ عباد کو آزماؤ۔ یہ خالص بے غل وغش سونا چمک کر سب سے اعلیٰ و افضل اور اتم و اکمل ثابت ہو جائے گا۔

اُمّیت

تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ابھی بطنِ مادری میں تھے کہ آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ چھ برس کے بعد آپ کی والدہ ماجدہ رحلت کر گئیں اور اس طرح نہایت کم عمری میں یہ دُرِّ یتیم تعلیم و تربیت پدری و شفقت و محبت مادری سے محروم ہو گیا۔ والدہ کے دو سال بعد ہی دادا کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ نہ آپ کو کسی نے تعلیم دی اور نہ تربیت کی اور نہ لکھنا پڑھنا ہی سکھایا۔ بھلا کوئی آپ کی کیا تعلیم کرتا جب کہ تمام روئے زمین سے زیادہ خود مکہ پر ابرِ جہالت چھایا ہوا تھا۔ نہ کوئی بیت العلوم تھا نہ مدرسہ۔ لکھنے پڑھنے والے خال خال تھے۔ پھر جو شخص چالیس سال تک اس طرح بے تعلیمی و بے تربیتی میں گذارے کیا بغیر ارشادِ خداوندی و تعلیم علمِ لدنّی ممکن تھا کہ دفعتاً چالیس برس کی عمر میں ایک انقلابِ عظیم پیدا کر دے اس کے دل سے آفتابِ ہدایت چمکے اور تمام عالم کو نور سے معمور کر دے، اس کے سینے سے دریائے علم و معرفت جاری ہو اور تشنگانِ دشتِ ضلالت و حیرت کو سیراب کر دے ؎

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست
کتب خانۂ چند ملت بشست (سعدی)

(ترجمہ:- اس یتیم نے جس نے قرآن کو موضوع نہیں کیا کئی قوموں کے کتب خانے دھو ڈالے یعنی "ایک امی وہ قرآن لے آیا جس کا علم تمام قوموں کے علوم پر فائق ہو گیا") ؎

اعجازِ قرآن اجمالاً

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عالم سے قرآن شریف کے متعلق تحدّی کی۔ اب اگر قرآن شریف اعجاز ہے تو ہمارا مقصود حاصل ہے اور اگر نہیں ہے تو اس کا معارضہ ممکن ہے اور باوجود اس امکانِ معارضہ اور معارضہ کے شوق اور خواہش کے اس کا نہ ہو سکنا بے شک

؎ ترجمہ از اکیڈمی

خرقِ عادت اور اعجاز ہے۔

اعجازِ قرآن بہ اعتبارِ فصاحت

موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ساحروں کا بڑا زور و شور تھا تو ان کو عصا اور یدِ بیضا کا معجزہ ملا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں طب و فلسفہ کا بڑا چرچا تھا۔ سقراط، بقراط، جالینوس، فیثا غورث وغیرہ حکماء کا زمانہ آپ کے زمانے سے قریب تھا۔ احیائے موتیٰ، ازالۂ مرضِ جذام، مادرزاد نابینا کا اچھا کرنا آپ کو عطا ہوا معجزاً۔ حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں مبعوث ہوئے جن کو فصاحت و بلاغت کا بڑا دعویٰ تھا۔ وہ اپنے سوا دوسری اقوام کو عجم یعنی گنگ کہتے تھے۔ کعبۃ اللہ شریف کے پردے پر اپنے فصیح و بلیغ قصائد بطورِ ادعاء تحدّی لٹکا رکھے تھے جن کو "سبعہ معلقہ" کہتے ہیں۔ اس لئے خدائے تعالیٰ نے ان کے مقابلے کے لئے فصاحتِ قرآن کو اعجاز بنا دیا۔ قرآن کے سامنے تمام فصحاء نے سر ڈال دی۔ لبیدؓ بن ربیعہؓ صاحبِ قصیدۂ چہارم نے شعر کہنا ہی چھوڑ دیا۔ عمر بھر ان کا مشغلہ تلاوتِ قرآن ہی رہا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ نے تمام شعراء سے ان کے زمانۂ اسلام کا کلام طلب فرمایا تو لبیدؓ بن ربیعہؓ نے سورۂ بقرہ لکھ کر حضرت عمرؓ کی خدمت میں روانہ کر دیا اور عرض کی کہ جب سے ایمان لایا ہوں شعر کہنا چھوڑ دیا۔ کفارِ قریش کا سردار عتبہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور قرآن سن کر دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دیئے اور رونا شروع کر دیا۔ ابوجہل وغیرہ بدبختانِ ازلی نے اسے بہکایا کہ تو اتنا بڑا سردار اور ایسا فصیح و بلیغ ہو کر قرآن سے متاثر ہوتا ہے۔ تجھے چاہئے کہ قرآن پر کچھ نہ کچھ الزام لگائے تو اس نے بہت سوچا اور اندازہ کیا مگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئی۔ پھر اس نے تیوری چڑھائی اور برا سا منہ بنایا لیکن کچھ اعتراض نہ کر سکا۔ کچھ دیر بیٹھ کر چلا آیا۔ پھر بڑی کوشش سے ایک بات سمجھائی دی اور مارے خوشی کے پھولے نہ سمایا اور کہا تو کیا کہا؟ "یہ تو چلتا جادو ہے۔" یہ بھی عتبہ کی ایک پیش گوئی ہے کہ قرآن یکے بعد دیگرے نقل کیا جاتا رہے گا اور کبھی فنا نہ ہوگا۔ اس کی اس رائے کے متعلق اہلِ دانش و بینش فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آدمی اسی وقت سحر و جادو کہتا ہے جب

کوئی چیز خارقِ عادت و طاقتِ بشری سے خارج ہو۔ عتبہ فصیح و بلیغ ضرور تھا اور فصاحت کے متعلق اس کی رائے ایک ماہر فن ہونے کی حیثیت سے گو وقعت رکھتی تھی مگر وہ زبان دانی، فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے عاجز آکر سحر کہنے پر مجبور ہو گیا جس سے قرآن کی فصاحت قوتِ بشری سے خارج ثابت ہو گئی۔ اب رہا اس کا سحر کہنا سو وہ نہ خود ساحر تھا نہ اصولِ سحر سے واقف تھا۔ لہٰذا اس کا ادعائے سحر (اگر اس کو سحر کے معنی میں لیا جائے) ساقط از اعتبار ہے۔

حفاظت

دنیا کی کسی کتابِ آسمانی کو دیکھو کہ وہ اپنی اصلی حالت پر قائم نہیں رہی۔ تورات و انجیل اس قدر محرف ہیں کہ چار و ناچار اہلِ کتاب خود قائل ہو گئے کہ پوری بائبل کلامِ الٰہی نہیں۔ ہاں بائبل میں کلامِ الٰہی بھی ہے۔ اسی طرح دساتیر اور وید کا حال ہے کہ کوئی ان کو متواتر تو کجا بہ روایتِ احاد بھی ثابت نہیں کر سکتا۔ برخلاف اس کے قرآن شریف کی روایت ایسی متواتر اور مشہور ہے کہ مخالفینِ اسلام تک پکار اٹھے کہ تیرہ سو برس تک کوئی کتاب ایسی محفوظ نہیں رہی۔ قرآن شریف کے سینکڑوں حافظ حضرتؐ کے زمانے میں موجود تھے اور اس وقت سے اب تک برابر دنیائے اسلام اس کی حفاظت کرتی چلی آرہی ہے۔ ہر شہر اور ہر گاؤں میں قرآن شریف موجود ہے۔ ہر عہد اور ہر زمانے میں ہزاروں لاکھوں حفاظ ہوتے چلے آرہے ہیں۔ قرآن شریف کی حفاظت کا ایسا بند و بست ہی اس کے کلامِ الٰہی ہونے کی ایک بدیہی دلیل ہے اور حضرتؐ کا ایک مستقل معجزہ ہے۔ خدا فرماتا ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر-۹) یعنی قرآن ہم ہی نے اتارا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

قرآن شریف کا ہر پہلو سے اعجاز

حسن بصری، جنید بغدادی، ابوبکر شبلی، غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی، محی الدین ابن عربی، شہاب الدین سہروردی رضی اللہ تعالیٰ عنہم

قرآن شریف کو دیکھتے اور معارفِ الٰہیہ کو استخراج کر کے بیان کرتے ہیں۔ امام غزالی، امام رازی، ابنِ رشد، نصیر الدین طوسی، جلال الدین دوّانی، علمِ کلام کے مسائل حل کرنے میں پریشان ہوتے ہیں تو قرآن شریف ہی ان کی دستگیری کرتا ہے۔ امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام ابو یوسف، امام محمد، امام مالک، امام احمد حنبل، اسحاق راہویہ نے فقہ و قانونِ اسلام میں بڑی بڑی دقیقہ سنجیاں کیں مگر ماخذ و منتاسب کا بھی قرآن تھا۔ ابن مسکویہ، ابن مقفع، ابن خلدون، طوسی، دوّانی کی سیاست مدن میں مشہور کتابیں ہیں۔ مگر سب کا دار و مدار قرآن پر ہی ہے۔ شمس المعارف کبریٰ، اورادِ شاذلی، جواہر خمسہ، مرقع شریف میں اوراد و ادعیہ ہیں مگر غور کرو تو سب سے زبردست اعمال آیاتِ سُوَرِ قرآن کے ہیں۔ قرآنِ شریف کے الفاظ سلیس، بندش دلکش، ترتیب دلفریب، اسلوب خاص، خدائی طرزِ بیان، عجیب عظمت و جبروت، ہر کلمہ اثر میں ڈوبا ہوا، کانوں سے سیدھا دل میں اترنے والا۔ ہر فن کا آدمی قرآنِ پاک کو دیکھے، خوب دیکھے اور دیکھتا چلا جائے۔

قرآن اس کی لیاقت کے مطابق اس کے سامنے نکھرے گا اور اس کے دل پر اپنے اعجاز کا نقش بٹھلائے گا۔ جتنا غور کرے گا اتنا ہی اس سے ہدایت کا نور چمکے گا اور عقل و ہوش، فہم و فراست کی آنکھوں کو حیران و خیرہ بنا دے گا۔ عیسائیوں نے دشمنی کی نگاہ سے قرآن کو دیکھا اور کوشش کی کہ قرآن کے اثر سے محفوظ رہیں اور اس سے دور بھاگیں مگر قرآن نے ان کو بھی اپنی طرف گھسیٹا اور مجبوراً ان کو اپنے قدیم مذہب کی اصلاح کرتے بنی اور پروٹسٹنٹ کہلائے۔ ہندوؤں نے قرآن کو نظرِ عداوت سے دیکھا مگر وہ ان کو بھی بے اثر کیسے چھوڑتا؟ قرآن نے ان کے قدیم مذہب کی خود ان کی آنکھوں میں قدر باقی نہ رکھی اور ان کو بھی برہمو اور آریہ سماجی مذہب بنانے پڑے۔ غیر مذہب والے قرآن شریف پر دشمنی سے، تعصب سے، اعتراض کرنے کے خیال ہی سے نظر ڈالیں تو ان کو خبر بھی نہ ہوگی، معلوم تک نہ ہوگا اور قرآن ان کے دلوں میں گھر بنا لے گا۔ وہ بھاگیں گے مگر وہ ان کو کبھی نہ چھوڑے گا۔ وہ مجبور ہو جائیں گے اور قرآن کے مطابق اپنی مذہبی کتابوں کی کھینچ تان کر کے تاویل کریں گے۔ وہ منہ سے مخالفت کریں گے مگر ان کا دل قرآن کی حقانیت کی شہادت دے گا

ہرقل کا استدلال

اب ہم "ابوسفیان" اور "ہرقل" قیصرِ روم کی گفتگو بیان کرتے ہیں۔ وہ حضرتؐ کے مکارمِ اخلاق اور حسنِ سلوک سے حضرتؐ کی نبوت پر استدلال کرتا ہے۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ ان سے ابوسفیان ابن حرب نے کہا جو اس واقعہ کے وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے اور کفارِ قریش کے بڑے معزز سردار اور حاکمِ اعلیٰ تھے۔ ان کو ہرقل بادشاہِ روم نے قریش کے اور کئی سرداروں کے ساتھ بلا بھیجا اور یہ قریش کے لوگ اس وقت شام کے ملک میں سوداگری کے لئے گئے ہوئے تھے۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں حضرتؐ نے ابوسفیان اور قریش کے کافروں کو (صلح کر کے) ایک مدت دی تھی۔ غرض یہ لوگ ہرقل کے پاس پہنچے جب کہ وہ اور اس کے ساتھی ایلیا یعنی بیت المقدس میں تھے۔ ہرقل نے ان کو اپنے دربار میں بلایا اور اس کے گرداگرد روم کے رئیس بیٹھے تھے اپنے مترجم کو بھی بلایا اور یوں کہنے لگا "اے عرب کے لوگو! تم میں سے کون شخص اس شخص کا قریبی رشتہ دار ہے جو اپنے آپ کو پیغمبر سمجھتا ہے۔" ابوسفیان نے کہا "میں اس کا قریبی رشتہ دار ہوں۔" ہرقل نے کہا "اچھا اس کو میرے پاس لاؤ اور اس کے ساتھیوں کو بھی اس کے نزدیک اس کی پیٹھ کے قریب رکھو۔" پھر مترجم سے کہنے لگا "ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں اس سے (ابوسفیان سے) اس شخص (حضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کا کچھ حال پوچھتا ہوں۔ اگر یہ مجھ سے جھوٹ بولے تو تم اس کی تکذیب کر دینا۔" ابوسفیان نے کہا "خدا کی قسم اگر مجھ کو یہ شرم نہ ہوتی کہ یہ لوگ میری تکذیب کر دیں گے تو میں ان کے بارے میں جھوٹ کہہ دیتا۔" خیر پہلی بات جو اس نے مجھ سے پوچھی وہ یہ تھی کہ "اس شخص کا تم میں خاندان کیسا ہے۔" میں نے کہا "اس کا خاندان تو ہم میں اعلیٰ ہے۔" کہنے لگا کہ "اچھا پھر یہ دعویٰ کہ میں پیغمبر ہوں اس سے پہلے تم لوگوں میں سے کسی نے کیا تھا؟" میں نے کہا "نہیں۔" پھر ہرقل نے پوچھا "ان کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ گذرا ہے؟" میں نے کہا "نہیں۔" اس نے پوچھا "اس کی پیروی امیر کرتے ہیں یا غریب؟" میں نے کہا "غریب"

کہنے لگا "اس کے تابعدار روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں یا گھٹتے؟" میں نے کہا "گھٹتے نہیں بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔" کہنے لگا "پھر کوئی ان میں سے ایمان لا کر اس کے دین کو برا سمجھ کر پھر جاتا بھی ہے؟" میں نے کہا "نہیں" کہنے لگا "جو بات اس نے کہی" میں پیغمبر ہوں" اس سے پہلے کبھی تم نے اس کو جھوٹ بولتے دیکھا ہے" میں نے کہا "نہیں"۔ کہنے لگا "اچھا! وہ عہد شکنی بھی کرتا ہے؟" میں نے کہا "نہیں"۔ اب ہم سے اور اس سے صلح کی ایک مدت ٹھیری ہے۔ معلوم نہیں وہ اس میں کیا کرتا ہے" ابوسفیان نے کہا "مجھ کو کوئی بات اس میں شریک کرنے کا موقع نہ ملا بجز اس بات کے"۔ کہنے لگا "اچھا! تم اس سے کبھی لڑتے بھی ہو؟" میں نے کہا "ہاں"۔ "تمہاری اور اس کی لڑائی کیسی ہوتی ہے؟" میں نے کہا "ہم میں اور اس میں لڑائی ڈول کی طرح ہے کہ کبھی وہ ہمارا نقصان کرتا ہے اور کبھی ہم اس کا" کہنے لگا "اچھا! وہ تم کو کیا حکم کرتا ہے؟" میں نے کہا "وہ کہتا ہے کہ بس اللہ ہی کو پوجو اور کسی کو شریک نہ بناؤ اور باپ دادا کی (مشرکانہ) باتیں چھوڑ دو۔ اور ہم کو نماز پڑھنے، سچ بولنے، حرام کاری سے بچنے اور ناتا جوڑنے کا حکم دیتا ہے" تب ہرقل نے مترجم سے کہا کہ اس شخص سے کہہ کہ "میں نے تم سے اس کا خاندان پوچھا تو تم نے کہا کہ عالی خاندان ہے اور پیغمبر ہمیشہ عالی خاندان ہی میں بھیجے جاتے ہیں۔ اور میں نے تم سے پوچھا کہ تم لوگوں میں سے پہلے کسی دوسرے نے یہ بات کہی (پیغمبری کا دعویٰ کیا ہوتا) تو میں یہ کہتا کہ یہ اس کی پیروی کرتا ہے۔ اور میں نے تم سے پوچھا کہ اس کے بزرگوں میں کوئی بادشاہ گذرا ہے تاکہ میں سمجھ لوں کہ وہ شخص (پیغمبری کا بہانہ کر کے) اپنے باپ دادا کی بادشاہت لینا چاہتا ہے۔ اور میں نے تم سے یہ پوچھا کہ اس بات کے کہنے سے پہلے تم نے کبھی اس کو جھوٹ بولتے سنا تو تم نے کہا نہیں۔ تو اب میں نے سمجھ لیا کہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ وہ لوگوں پر جھوٹ باندھنے سے پرہیز کرے اور اللہ پر جھوٹ باندھے۔ اور میں نے تم سے پوچھا کہ امیر آدمیوں نے اس کی پیروی کی یا غریبوں نے۔ تو تم نے کہا کہ غریب لوگوں نے اس کی پیروی کی۔ اور پیغمبروں کے تابعدار اکثر غریب ہوتے ہیں اور میں نے تم سے پوچھا کہ تعداد میں وہ بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں تو تم نے کہا کہ وہ بڑھ رہے ہیں۔ اور ایمان

کا یہی حال رہتا ہے جب تک وہ پورا ہو۔ اور میں نے تم سے پوچھا کہ کوئی اس کے دین میں آکر پھر اس کو بُرا سمجھ کر پھر جاتا ہے تو تم نے کہا کہ نہیں۔ اور ایمان کا یہی حال ہے کہ جب اس کی بشاشت دل میں سما جاتی ہے تو پھر نہیں نکلتی۔ اور میں نے تم سے پوچھا کہ کیا وہ عہد شکنی کرتا ہے۔ تو تم نے کہا کہ نہیں۔ پیغمبر ایسے ہوتے ہیں کہ وہ کبھی عہد نہیں توڑتے۔ میں نے تم سے پوچھا کہ وہ تم کو کیا حکم دیتا ہے تو تم نے کہا کہ وہ یہ حکم دیتا ہے کہ اللہ کو پوجو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ اور بت پرستی سے تم کو منع کرتا ہے اور نماز کا، سچائی کا، اور حرام کاری سے بچنے کا حکم دیتا ہے۔ اگر جو تم کہتے ہو سچ ہے تو وہ عنقریب اس جگہ کا مالک ہو جائے گا جہاں میرے یہ دونوں پاؤں ہیں (ملکِ شام کا) اور میں جانتا تھا کہ پیغمبر آنے والا ہے۔ لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا۔ پھر اگر میں جانوں کہ میں اس کے پاس ہوتا (مدینہ میں) تو اس کے پاؤں دھوتا خدمت کرتا۔" پھر اس نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط منگوایا جو آپ نے دحیہ کلبی کو دے کر بصرہ کے حاکم کو بھیجا تھا اور اس نے وہ خط ہرقل کو بھیجا تھا۔ ہرقل نے اس کو پڑھا۔

ابوسفیان نے کہا "جب ہرقل کو جو کہنا تھا وہ کہہ چکا اور خط بھی پڑھ لیا تو اس کے پاس بہت شور و غل مچا۔ آوازیں بلند ہوئیں اور ہم باہر نکال دیئے گئے۔ پس میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ابوکبشہ کے بیٹے (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا تو بڑا درجہ ہو گیا۔ اس سے آدمیوں کا بادشاہ بھی ڈرتا ہے۔ اس روز سے مجھ کو برابر یقین ہو گیا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ضرور غالب ہوں گے، یہاں تک کہ اللہ نے مجھ کو مسلمان کر دیا۔

صاحبو! اسلام کا اور ایک بنیادی اصول تحصیلِ علم بھی ہے۔

علم (۳)

علم قرآنِ شریف میں ہے۔ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ

وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (الزمر-۹) یعنی اے پیغمبر تم کہہ دو۔ کیا عالم و جاہل دونوں برابر ہو سکتے ہیں اور ایک جگہ ہے۔ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (النساء-۱۱۳) یعنی اے پیغمبر ہم نے تم کو ان سب چیزوں کی تعلیم دے دی جن کو تم جانتے نہ تھے۔ اور خدا کا تم پر فضل عظیم ہے۔

صاحبو! کیا فرق ہے مردے اور زندے میں؟ زندہ علم رکھتا ہے اور مردہ بے علم ہوتا ہے۔ انسان تاجِ خلافتِ الٰہیہ سے سرفراز ہوتا ہے۔ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً (البقرہ-۳۰) کا مظہر بنتا ہے۔ اور تمام عالم پر حکومت کرتا ہے۔ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (الجاثیہ-۱۳) یعنی ہم نے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اس کو تمہارا مطیع اور مسخر بنا دیا۔ وہ ہاتھی کی گردن پر سوار ہوتا ہے اور ہاتھ میں آنکس لے کر جدھر چاہتا ہے چلاتا ہے۔ شیر کو پکڑ کر پنجرے میں ڈال دیتا ہے۔ سانپ کو پکڑ کر ٹوکری میں بند کرتا ہے۔ ویل مچھلی کا دودھ نچوڑتا ہے۔ شیاطین کو شیشے میں اتارتا ہے۔ مہلک ہتیار سے مسلح ہوتا ہے تو اپنے دشمنوں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ پہاڑ اس کے سامنے اپنی سربلندی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ ڈائنامائیٹ لگاتا ہے۔ اور اس کے پرخچے اڑا دیتا ہے۔ پہاڑوں کو کھودتا ہے اور ان میں راستہ بنا دیتا ہے۔ سمندر اس کے مقابل اپنی وسعت پر نازاں نہیں ہو سکتا۔ طیاروں میں بیٹھتا ہے اور اس کو پھلانگ جاتا ہے۔

صاحبو! آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (البقرہ-۳۱) یعنی اللہ نے آدم کو اپنے اسماء و حقائقِ اشیاء دونوں کی تعلیم دی۔ پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا اگر تم اپنے دعوئ برتری میں سچے ہو تو ذرا ان کے نام تو بتا دو۔ اس علمی امتحان اور مقابلے میں فرشتے ہار جاتے ہیں اور ان کو آدم کی برتری کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ (ص-۷۳)

پھر آدم کو سارے فرشتوں نے سجدۂ تعظیمی کیا اِلَّآ اِبْلِیْسَ سوائے ابلیس کے۔ اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ (البقرہ - ۳۴) یعنی نہ مانا اور انکار کیا اور وہ منکرین ہی میں کا تھا - قوتِ غضبی کے لال دیو کے دل میں حسد کی آگ مشتعل ہوگئی اور لگا کہنے اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ (اعراف - ۱۲) میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی کیچڑ سے۔

صاحبو! ابلیس نے آدم کو سمجھا؟ کیا سمجھا؟ خاک دھول سمجھا۔ مٹی کا پتلا سمجھا۔ اسے کیا معلوم؟ یہ انسان ہے۔ خلیفۃ الرحمان ہے۔ اس میں کس کی روح پھونکی گئی۔ کچھ اس سے بھی واقف ہے؟ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ (الحجر - ۲۹) یعنی میں نے آدم میں اپنی روح میں سے کچھ پھونک دیا۔ اس کو معلوم نہیں کہ انسان میں نور بھی ہے اور نار بھی۔ اس سے بھی آتشِ غضب کی چنگاریاں اڑتی ہیں۔ شیطان نے بھی خدا پر کیا کیا اعتراضات کئے؟ یہ کہ وہ مستحق کے ہوتے غیر مستحق کو حکومت دیتا ہے احکام لگانے کا حق مجھے ہے۔ خدا بے سوچے سمجھے احکام دیتا ہے مگر میں کب ان کو مانتا ہوں

دیکھو! لوگوں کے دلوں میں سا جو بس گیا ہے کہ خدائی احکام غلط ہوتے ہیں اور ہم اہلِ عقل جو حکم دیتے ہیں وہی صحیح ہیں۔ یہ سب اسی شیطان مردود کے کرشمے اور اسی کے اثرات ہیں۔ یہ نادان اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (الانعام - ۵۷) یعنی حکم دینا صرف خدا کا کام ہے' اس کو نہیں مانتے۔ دین دار خدا کے احکام کے پابند ہوتے ہیں۔ روزہ میں کیا کوئی کچھ کھا پی بھی سکتا ہے؟ ہر گز نہیں! کیا نماز میں بات کر سکتا ہے؟ ہر گز نہیں! دیندار کی ہر حرکت و سکون تحتِ امرِ الٰہی ہوتا ہے۔ یہ قوتِ غضبی کا دیو چپکا کیوں کر بیٹھ سکتا تھا؟ اس نے سب کو بہکانے کے لئے کمرہمت باندھی - لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ (الحجر - ۳۹ - ص - ۸۲) یعنے میں انسانوں کو کب چھوڑتا ہوں۔ ان سب کو بہکاؤں گا اور اپنے رنگ میں رنگوں گا۔ مالک فرماتا ہے۔ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ (الحجر - ۴۲) یعنے میرے خاص بندوں' میرے مخلصین' میرے مطیع

وفرمانبرداروں پر تیری ایک نہ چلے گی۔ ان پر ہر گز تیرا غلبہ نہ ہو سکے گا۔ دبی زبان سے شیطان بھی اس کا اعتراف کر لیتا ہے۔ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ (الحجرہ۔۴۰) ہاں! تیرے خالص بندے میرے بہکانے میں نہ آئیں گے۔ مگر صاحبو! وہ ہیں کتنے؟ مٹھی بھر، انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔

اچھا! یہ علمی امتحان کا مقابلہ کہاں ہوا؟ علم الٰہی میں ہوا۔ عالم علوی میں ہوا۔ عالم مثال میں ہوا۔ جس کو خاص خاص لوگ دیکھتے ہیں۔ لیکن ہم اب بھی کیا دیکھ رہے ہیں یا دیکھ رہے ہیں علمی کا پیشن۔ انسان کے سامنے اس طرح سب کا ہار جانا شیطان کا حسد کرنا، انسانوں کو بہکانے کی کوشش کرنا، آدمیوں کو تباہ و برباد کرنے کی جدوکد، اد قوت غضبی کے دیوتا! تو نے بھی اپنے شاگردوں کو خوب تیار کر لیا کہ دنیا میں فساد پھیلائیں۔ قتل وکشت کا بازار گرم کریں۔ کسی کو ایٹم بم سکھا دیا، کسی کو ہائیڈروجن بم کی ترکیب بتادی اور کسی کو شعاع الموت کا راز سمجھا دیا۔ اب دنیا میں امن کہاں؟ چین ملے تو کیوں کر؟ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ (الروم۔۴۱) فساد کی آگ مشتعل نہ ہو تو کیا ہو۔ چھوٹے چھوٹے معصوم بچے، بے گناہ عورتیں، عاجز و ناچار بوڑھے، سب نذر آتش۔ بے شک آج شیطان اپنی کامیابی پر جس قدر ناز کرے کم ہے اس میں وہ حق بجانب ہے۔

چونکہ علم کا مسئلہ بہت اہم ہے اس لئے مزید تائید کے لئے کچھ احادیث بھی سنا دیتا ہوں۔ عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ (ابن ماجہ) یعنے انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَةُ الْحِكْمَةِ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا (ترمذی)

یعنے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حکمت کی بات ایماندار کی گم شدہ چیز ہے، پس وہ اس بات کو جہاں پائے اس کے لینے کا وہی زیادہ مستحق ہے۔

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رضی اللّٰہ عنہ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ مَنْ سَلَکَ طَرِیْقًا یَطْلُبُ فِیْہِ عِلْمًا سَلَکَ اللّٰہُ بِہٖ طَرِیْقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّۃِ وَاِنَّ الْمَلٰئِکَۃَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَھَا رِضًی لِطَالِبِ الْعِلْمِ وَاِنَّ الْعَالِمَ لَیَسْتَغْفِرُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوَاتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَحِیْتَانُ فِیْ جَوْفِ الْمَاءِ وَفَضْلُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِ الْقَمَرِ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ عَلٰی سَائِرِ الْکَوَاکِبِ وَاِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ وَاِنَّ الْاَنْبِیَاءَ لَمْ یُوَرِّثُوْا دِیْنَارًا وَّلَا دِرْھَمًا وَاِنَّمَا الرَّسُوْلُ یُعَلِّمُ الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَہٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ

(ترمذی۔ ابن ماجہ۔ دارمی) یعنی ابی درداء سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو شخص علم طلب کرنے کے لئے راستہ چلتا ہے تو خدائے تعالیٰ اسے جنت کی راہوں میں سے ایک راہ پر لے جاتا ہے اور فرشتے طالب علم کی رضامندی کے لئے تواضعاً اپنے پر بچھا دیتے ہیں اور عالم کے لئے آسمانوں کے فرشتے اور زمین کے باشندے اور پانی میں کی مچھلیاں سب مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ اور عالم کی بزرگی عابد پر بالکل ایسی ہی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی بزرگی تمام تاروں پر۔ اور علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء نے دینار و درہم کا تو کسی کو وارث نہیں ٹھہرایا بلکہ علم کا وارث ٹھہرایا پس جس نے علم حاصل کیا اس نے میراث انبیاء کا ایک بڑا حصہ حاصل کیا۔

صاحبو! علم کی فضیلت معلوم کی فضیلت سے ہے۔ معلوم جتنا افضل ہوگا اسی قدر علم بھی افضل ہوگا۔ لہٰذا خدا کے جاننے والے کی فضیلت تمام ماسوا اللہ کے جاننے والوں پر ثابت و محقق ہو گئی۔ تم مذہبی معلومات سے بے بہرہ مگر چند اشیاء کے علم پر نازاں۔ ہم مذہبی معلومات کے دلدادہ اور چند غیر ضروری اشیاء سے ناواقف۔ دیکھ لینا کل انشاء اللہ

کون زیادہ گھاٹے میں رہیں گے؟ تم یا ہم۔ اور کس کے متعلق صادق آئے گا: ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ (الحج-۱۱) یعنی یہی تو صریح اور کھلا نقصان ہے۔
صاحبو! اسلام کا ایک اور بنیادی اصول محبت ہے۔

(۴) محبت

محبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ (المائدہ-۵۴) یعنی عنقریب خدائے تعالیٰ ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جن سے خدا محبت رکھتا ہے اور وہ بھی خدا سے محبت رکھتے ہیں۔ اور ایک جگہ ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (الحجرات-۱۰) یعنی ایماندار لوگ آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس اپنے بھائیوں میں صلح کرا دو (میل جول کے ساتھ رہو) اور خدا سے ڈرتے رہو۔ پرہیزگار بنو تاکہ خدا تم پر رحم کرے۔ حدیث شریف میں ہے: عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ كَتَبَ فِيْ كِتَابٍ عِنْدَهٗ فَوْقَ الْعَرْشِ اِنَّ رَحْمَتِيْ تَغْلِبُ غَضَبِيْ وَفِيْ رِوَايَةٍ سَبَقَتْ رَحْمَتِيْ عَلٰى غَضَبِيْ (بخاری و مسلم) یعنی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب خدا نے مخلوقات کو پیدا کیا تو ایک کتاب میں جو اس کے پاس عرش پر ہے، یہ لکھا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میری رحمت میرے غضب سے سابق ہے۔ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ جَعَلَ اللّٰهُ الرَّحْمَةَ مِائَةَ جُزْءٍ وَاَمْسَكَ عِنْدَهٗ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ وَاَنْزَلَ فِي الْاَرْضِ جُزْءًا وَّاحِدًا فَمِنْ ذٰلِكَ الْجُزْءِ يَتَرَاحَمُ الْخَلَائِقُ حَتّٰى تَرْفَعَ الدَّابَّةُ حَافِرَهَا عَنْ وَلَدِهَا خَشْيَةَ اَنْ تُصِيْبَهٗ (بخاری ومسلم) یعنی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ خدا نے

رحمت کے سو حصے کئے اور ننانوے حصے اپنے پاس رکھ لئے اور زمین میں ایک حصہ اتارا۔ اس ایک حصہ کا یہ اثر ہے کہ لوگ آپس میں محبت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جانور اپنا پاؤں اپنے بچہ سے اٹھالیتا ہے اس خوف سے کہ کہیں وہ کھندلا نہ جائے اور بچہ کو تکلیف نہ پہنچے۔ مَنْ لَمْ یَرْحَمِ النَّاسَ لَا یَرْحَمْهُ اللّٰهُ (ترمذی) یعنی اللہ اس شخص پر رحم نہیں کرتا جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (ترمذی و نسائی) وَاَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ (مسلم) یعنی جو جس کو چاہے اس کے ساتھ اور تو جس کو چاہے اس کے ساتھ۔

قرآن و حدیث سے محبت کا وجود ثابت ہوا۔ اب میں اس محبت کے متعلق چند ضروری امور بیان کرتا ہوں۔

صاحبو! تمام دنیا محبت کی بنیاد پر قائم ہے۔ محبت نہ ہوتی تو دنیا گرد و غبار کا ایک ڈھیر ہوتی۔ مگر ہر جگہ اس کا جدا نام ہے اور جدا کام، زمین اور زمینیات میں کشش ثقل مختلف مادوں میں کشش کیمیاوی، کرات عالم میں تجاذب، جانداروں میں کہیں الفت کہیں شفقت اور کہیں عنایت، کہیں مہربانی اور کہیں رحمت۔

صاحبو! یہ محبت کیوں ہوتی ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں دنیا بڑی خود غرض ہے۔ کوئی کسی کو نہیں چاہتا۔ ہر ایک کے پیش نظر اپنی غرض رہتی ہے۔ کہیں نفع ہے تو کہیں لذت مطلب پورا ہو چکا تو پھر تم کدھر اور ہم کدھر؟ مثلاً جو لوگ ماہوار لے کر یا خانگی طور سے پیسہ لے کر پڑھاتے ہیں، ان کی یہ ہمدردی بھی پیسہ کی محبت ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ محبت ایک طبعی جذبہ ہے۔ ماں باپ اولاد کو چاہتے ہیں اور اولاد ماں باپ کو۔ دیگر قرابتداروں کو بھی لوگ محبت کرتے ہیں۔ ملنے جلنے سے بھی ایک قسم کی محبت ہو جاتی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کوئی کسی کو نہیں چاہتا۔ آدمی صرف اپنے آپ کو چاہتا ہے۔ بچوں کو کیوں چاہتا ہے؟ وہ میرے بچے ہیں۔ بیوی کو کیوں چاہتا ہے؟ وہ میری بیوی ہے۔ گھر کو کیوں چاہتا ہے؟ وہ میرا ہے۔ وطن کو کیوں دوست رکھتا ہے؟ وہ میرا وطن ہے۔ بلکہ خدا کو کیوں چاہتا ہے؟ وہ بھی اس لئے کہ وہ میرا خدا ہے۔ میرا معبود ہے

دوسروں کے معبودوں سے مجھے کیا غرض سے

اسیر دامِ گیسوئے محبت آپ اپنا ہوں
جو حبِّ غیر ہے وہ بستۂ زنجیر نسبت ہے (حسرت صدیقی)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ محبت ایک بارش ہے جو آسمان سے اترتی ہے اور سب کو سیراب کرتی ہے۔ محبت میں "کیوں" کو کوئی گنجائش نہیں۔ میاں گورے ہیں اور بیوی کالی مگر ہے دونوں میں محبت۔ ہم نے دیکھا ہے کہ ایک صاحب کا انتقال ہو گیا۔ ان کی بیوی تین دن تک چیخ چیخ کر مر گئی۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ خاوند کے مرنے کے بعد بیوی نے اپنے اوپر گیاس کا تیل ڈال لیا اور اس کو آگ لگا دی۔ محبوب کے ساتھ محب بھی ختم۔

صاحبو! ماں باپ کے بچوں کو بھائی بہن کہتے ہیں۔ بھائی کے بچوں کو بھتیجا بھتیجی۔ بہن کے بچوں کو بھانجا بھانجی۔ کون ہے جو یہ دعویٰ کرے کہ تیرا بچہ میرا بچہ ہے اور میرا بچہ تیرا بچہ ہے؟ صرف میاں بیوی ہی ایسا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ بڑے نااہل ہیں، بے احساس ہیں وہ لوگ جو اپنی بیوی کو نہیں چاہتے۔ اس کی محبت کی قدر نہیں کرتے بیوی مرکز محبت ہے۔ سکونِ دل اور راحتِ جان ہوتی ہے۔

دنیا میں خصوصاً تمدن میں محبت کو بڑا دخل ہے۔ انسان اکیلا بغیر دوسروں کی محبت کے جی نہیں سکتا۔ باورچی کھانا پکاتا ہے۔ جولاہا کپڑے بنتا ہے۔ درزی کپڑے سیتا ہے لوہار اور بڑھئی بھی اپنا اپنا کام کرتے ہیں۔ کسان زراعت کرتا ہے۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں لیا ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں، تب کہیں پیٹ کو روٹی اور تن کو کپڑا میسر ہوتا ہے۔ اسلام کے تمام کاموں پر غور کرو اور دیکھو کہ سب سے تعاون اور ایک دوسرے کی مدد کی تائید نکلتی ہے۔ ذرا انسان کے لفظ پر ہی غور کرو۔ انسان میں انس اصل ہے باقی زائد ہے۔ انسان کا مادّہ اُنس ہی تو ہے۔ اگر کسی میں انس و محبت نہیں تو انسان بھی نہیں سے

اُنس انسان کی ہے اصل سمجھ لے حسرت
اُنس جب تک نہ ہو ممکن نہیں انسان ہونا (حسرت صدیقی)

اسلام کا ایک اور بنیادی اصول حق کی ادائی اور فرض شناسی ہے۔

(۵) حقوق وفرائض

حقوق وفرائض

انسان حقوق وفرائض میں گھرا ہوا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کے حقوق ہیں۔ بادشاہ اور رعیت کے حقوق ہیں گھر کے لوگوں کے حقوق ہیں۔ دوستوں کے حقوق ہیں۔ خود اپنے آپ کے بھی حقوق ہیں۔ دشمن کا بھی حق ہے۔ حدیث شریف میں ہے: عن عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَّکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ فَالْاِمَامُ الَّذِیْ عَلَی النَّاسِ رَاعٍ وَّھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰی اَھْلِ بَیْتِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ وَالْمَرْاَۃُ رَاعِیَۃٌ عَلٰی اَھْلِ بَیْتِ زَوْجِھَا وَوَلَدِہٖ وَھِیَ مَسْئُوْلَۃٌ عَنْھُمْ وَعَبْدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلٰی مَالِ سَیِّدِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْہُ اَلَا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَّکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ (بخاری ومسلم) یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سنو! تم سب اپنی رعیت کے محافظ ہو اور تم سب سے رعیت کی بابت پوچھا جائے گا، بازپرس ہو گی۔ جوابدہی کرنی پڑے گی۔ پس حاکم جو لوگوں کی اصلاح حال کے لئے قائم کیا گیا ہے رعیت کا نگہبان ہے۔ اس سے اپنی رعیت کے احوال کی بابت پوچھا جائے گا۔ مرد اپنے اہل خانہ کا نگہبان ہے اور وہ اپنی رعیت یعنی اہل خانہ کی بابت پوچھا جائے گا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی محافظ ہے اور اس سے ان کی بابت سوال ہو گا۔ آدمی کا غلام اپنے مالک کے مال کا نگران ہے اور اس کی بابت اس سے سوال کیا جائے گا۔ سنو! تم سب کے سب راعی ہو، نگران ہو، محافظ ہو اور تم سب اپنی رعیت کی بابت سوال کئے جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے - وَفِیۡۤ اَمۡوَالِہِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ (الذّٰریٰت - ۱۹) یعنی ان کے مالوں میں حصہ ہے اُس کے لئے جو مانگے اور نہ مانگے - عَنۡ اُمِّ بجید قَالَتۡ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وسلم رُدُّوا السَّآئِلَ وَلَوۡ بِظِلۡفٍ مُّحۡرَقٍ یعنی امّ بجید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ مانگنے والوں کو خالی ہاتھ نہ پھیرو گو ایک سوختہ کھری کیوں نہ ہو۔

عَنِ الحسین بن علی رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہٗ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وسلم لِلسَّآئِلِ حَقٌّ وَاِنۡ جَآءَ عَلٰی فَرَسٍ یعنی حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مانگنے والے کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے یعنی کیا معلوم کوئی ایسی مجبوری پیش آئی ہو کہ باوجود ظاہر خوش حالی کے سائل نے بے عزتی کو گوارا کر لیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے - یَسۡـَٔلُوۡنَکَ مَاذَا یُنۡفِقُوۡنَ قُلۡ مَاۤ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ خَیۡرٍ فَلِلۡوَالِدَیۡنِ وَالۡاَقۡرَبِیۡنَ وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ ؕ وَمَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیۡمٌ ﴿ (البقرہ - ۲۱۵) یعنی اے پیغمبر تم سے لوگ پوچھتے ہیں کہ "خدا کی راہ میں کیا خرچ کریں"۔ تم ان کو سمجھا دو کہ خیر خیرات کے طور پر جو مال خرچ کرو تو وہ تمہارے ماں باپ کا حق ہے اور قریب کے رشتہ داروں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا اور تم جو کوئی بھی بھلائی کرو گے اس سے اللہ واقف ہے - عن ابن عبّاسٍ قَالَ سَمِعۡتُ رَسُوۡلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وسلّم یَقُوۡلُ لَیۡسَ الۡمُؤۡمِنُ الَّذِیۡ یَشۡبَعُ وَجَارُہٗ جَائِعٌ یعنی حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو شخص خود سیر ہو کر کھانا کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے تو وہ کامل مومن مسلمان نہیں عَنۡ عَائِشَۃَ وَابۡنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا زَالَ جِبۡرَئِیۡلُ یُوۡصِیۡنِیۡ بِالۡجَارِ حَتّٰی ظَنَنۡتُ اَنَّہٗ سَیُوَرِّثُہٗ یعنی حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا

اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل مجھے ہمیشہ تاکید کرتے رہے کہ میں اپنی امت کو حق ہمسایہ کی رعایت کا حکم دوں یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ وہ ہمسایہ کو وارث بنادیں گے۔

عَنْ عونِ ابْنِ اَبِي جُحَيْفَةَ عَنْ اَبِيْهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ اٰخَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ سَلْمَانَ وَاَبِي الدَّرْدَاءِ فَرَاٰى اُمَّ الدَّرْدَاءِ مُتَبَذِّلَةً فَقَالَ لَهَا مَا شَاْنُكِ قَالَتْ اَخُوْكَ اَبُو الدَّرْدَاءِ لَيْسَ لَهُ حَاجَةٌ فِي الدُّنْيَا فَجَاءَ اَبُو الدَّرْدَاءِ فَصَنَعَ لَهُ طَعَامًا فَقَالَ كُلْ فَاِنِّيْ صَائِمٌ قَالَ مَا اَنَا بِاٰكِلٍ حَتّٰى تَاْكُلَ فَاَكَلَا فَلَمَّا كَانَ اللَّيْلُ ذَهَبَ اَبُو الدَّرْدَاءِ يَقُوْمُ فَقَالَ نَمْ فَنَامَ ثُمَّ ذَهَبَ يَقُوْمُ فَقَالَ نَمْ فَلَمَّا كَانَ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ قَالَ سَلْمَانُ قُمِ الْاٰنَ فَصَلَّيَا فَقَالَ لَهُ سَلْمَانُ اِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِاَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا فَاَعْطِ كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهُ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَ سَلْمَانُ ( ) یعنی ابوجحیفہ

کے فرزند عون اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمانؓ اور ابوالدرداء میں بھائی چارہ کرا دیا تو سلمانؓ نے ابوالدرداء کی بیوی ام الدرداء کو میلی کچیلی حالت میں دیکھ کر کہا تمہارا کیا حال ہے؟ انھوں نے جواب دیا سلمان ہمارے بھائی ابوالدرداء کو دنیا سے کچھ مطلب وغرض نہیں۔ اتنے میں ابوالدرداء آ گئے اور انہوں نے سلمان کے لئے کھانا تیار کروایا (کھانا تیار ہو چکا) تو سلمان سے کہا بھائی! تم کھانا کھالو میں تو روزے سے ہوں۔ سلمان بولے جب تک تم نہ کھاؤ گے میں بھی کھانے والا نہیں۔ چنانچہ ابوالدرداء نے روزہ توڑ دیا اور سلمان کے ساتھ کھانا کھایا۔ رات ہوئی تو ابوالدرداء نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ سلمان نے کہا بھائی! ابھی سو رہو۔ وہ سو گئے (اور) پھر تھوڑی دیر کے بعد اٹھنے لگے تو سلمان نے کہا ابھی سو رہو۔ جب پچھلی رات ہوئی تو سلمان

نے کہا اب اٹھ کر نماز پڑھو ۔ چنانچہ دونوں نے نماز پڑھی ۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد سلمان نے ابوالدرداء سے کہا کہ بھائی تمہارے پروردگار کا تم پر حق ہے ۔ تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے ۔ تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے ۔ پس حقدار کو اس کا حق دینا چاہئے صبح کو ابوالدرداء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ آپ کو کہہ سنایا ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلمان نے بالکل درست کہا ۔

صاحبو! اِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا پر غور کرو ۔ کیا تم خودکشی کر سکتے ہو؟ کیا مرن برت رکھ سکتے یا بھوک ہڑتال کر سکتے ہو؟ نہیں ہرگز نہیں ۔ ہم تو کسی کو نہیں ستاتے ! اپنی جان سے گذر جاتے ہیں ؟ پر یہ جان تمہاری ہے کہاں ؟ یہ تو نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (حجر ۔ ۲۹) ہم تم اور دنیا میں جتنے لوگ ہیں سب خدا کی ملک ہیں ۔ بغیر اس کی اجازت کے کوئی تصرف نہیں کر سکتے ؎

حسرتؔ کے پاس کیا دھرا ہے
اک جان سو وہ بھی ہے پرائی (حسرتؔ صدیقی)

ذرا غور کرو ۔ بچوں کے پاس کھلونے ہوتے ہیں ۔ کوئی ان کے کھلونے کو توڑ ڈالے تو کس قدر ناخوش ہوتے ہیں ۔ تم ہم سب خدا کے کھلونے ہیں ۔ ان کو بے سمجھی سے ضائع نہیں کر سکتے ؎

کھلونا سمجھ کر بگاڑو نہ ہم کو
کہ ہم بھی کسی کے بنائے ہوئے ہیں

اب میں اس خصوص میں چند آیتیں اور حدیثیں بیان کرتا ہوں جن سے مضمون بالا کی تائید ہوتی ہے ۔

قرآن شریف میں ہے وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ (الانعام ۔ ۱۵۱) یعنی کسی نفس کو جس کو اللہ نے حرام کیا ہے ، باحرمت بنایا ہے ۔ ناحق قتل نہ کرو ۔ لہٰذا کسی کو ناحق ناروا قتل نہیں کر سکتے ۔ نہ اپنے آپ کو نہ دوسرے کو

حدیث شریف میں آیا ہے - عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ من اَبَرُّ قَالَ اُمَّكَ. قلتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمَّكَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمَّكَ قلتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ اَبَاكَ ثُمَّ الْاَقْرَبَ فَالْاَقْرَبَ (ترمذی) یعنی بہز ابن حکیم اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں کس کے ساتھ سلوک کروں؟ فرمایا اپنی ماں کے ساتھ - میں نے عرض کیا پھر کس کے ساتھ؟ فرمایا اپنی ماں کے ساتھ - میں نے عرض کیا پھر کس کے ساتھ؟ فرمایا اپنی ماں کے ساتھ - میں نے عرض کیا پھر کس کے ساتھ؟ فرمایا اپنے باپ کے ساتھ - پھر جو زیادہ قریب ہو اس کے ساتھ سلوک کرو - پھر جو قریب تر ہو - عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِىْ بَكْرٍ قَالَتْ قَدِمَتْ عَلَيَّ اُمِّيْ وَهِيَ مُشْرِكَةٌ فِيْ عَهْدِ قُرَيْشٍ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمِّيْ قَدِمَتْ عَلَيَّ وَهِيَ رَاغِبَةٌ (عَنِ الْاِسْلَامِ) اَفَاَصِلُهَا قَالَ نَعَمْ صِلِيْهَا یعنی اسماء بنت ابوبکر کہتی ہیں کہ جس زمانہ میں آنحضرت اور قریش میں عہد تھا (حدیبیہ کے موقعہ پر صلح ہو چکی تھی) میری ماں میرے پاس آئی اور وہ مشرک تھی - میں نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ میری ماں میرے پاس آئی ہے اور اس کو ابھی تک اسلام کی طرف رغبت نہیں تو کیا میں اس کے ساتھ کچھ سلوک کروں - فرمایا ہاں! اس سے سلوک کرو - عن عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عليه وَسَلَّمَ خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ وَاِذَا مَاتَ صَاحِبُكُمْ فَدَعُوْهُ (ترمذی) یعنی ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں خدا اور مخلوق کے نزدیک وہ بہت بہتر ہے جو اپنے اہل کے حق میں بہتر ثابت ہو اور میں اپنے اہل کے لئے تم سے بہت بہتر ہوں اور جب تمہارا کوئی دوست مر جائے تو اس کو چھوڑ دو اس کے عیب ظاہر مت کرو - ع

خار پیراہن مشو آسودگان خاک را

(مٹی میں آرام کرنے والوں کے لباس کا کانٹا نہ ہو -)سے

سے ترجمہ از اکیڈمی

عَنْ اَبِی شُرَیْحِ نِ الْکَعْبِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَہٗ وَجَائِزَتُہٗ یَوْمٌ وَلَیْلَۃٌ وَالضِّیَافَۃُ ثَلٰثَۃُ اَیَّامٍ فَمَا بَعْدَ ذٰلِکَ فَھُوَ صَدَقَۃٌ وَلَا یَحِلُّ لَہٗ اَنْ یَثْوِیَ عِنْدَہٗ حَتّٰی یُحْرِجَہٗ (صحیحین) یعنی ابو شریح کعبی سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص خدا اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے اپنے مہمان کی توقیر کرنی چاہئے۔ اس کے ساتھ لطف و احسان اور تکلف کرنے کا زمانہ صرف ایک دن اور ایک رات ہے اور معمولی مہمانی کا تین دن ہے۔ اور اس کے بعد مہمان کے ساتھ جو سلوک کیا جائے وہ صدقہ ہے، خیرات ہے۔ مہمان کو میزبان کے پاس اتنا ٹھیرنا جائز نہیں کہ وہ تنگ ہو جائے۔

قرآن میں ہے وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ وَلَوْ کَانَ بِھِمْ خَصَاصَۃٌ۔ (الحشر۔ آیت ۹) یعنی اور ترجیح دیتے ہیں اپنے آپ پر (خود نہیں کھاتے بلکہ دوسروں کو کھلاتے ہیں) خواہ اپنے اوپر تنگی ہی کیوں نہ ہو۔ حدیث شریف میں ہے عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی "وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ وَلَوْ کَانَ بِھِمْ خَصَاصَۃٌ" اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ بَاتَ بِہٖ ضَیْفٌ وَلَمْ یَکُنْ عِنْدَہٗ اِلَّا قُوْتُہٗ وَقُوْتُ صِبْیَانِہٖ فَقَالَ لِامْرَاَتِہٖ نَوِّمِی الصِّبْیَۃَ وَاَطْفِئِ السِّرَاجَ وَقَرِّبِیْ لِلضَّیْفِ مَا عِنْدَکِ فَنَزَلَتِ الْاٰیَۃُ (ترمذی) یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ وَلَوْ کَانَ بِھِمْ خَصَاصَۃٌ کے بارے میں روایت ہے کہ ایک انصاری کے ہاں ایک مہمان شب باش ہوا اور انصاری کے پاس اس کی اور اس کے بچوں کی خوراک کے سوا کچھ نہ تھا۔ پس اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ بچوں کو سلا دو اور چراغ گل کر دو اور تمہارے پاس جو حاضر ہے مہمان کے سامنے رکھ دو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

صاحبو! اب میں ایثارِ نفس کا ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔ آنحضرت کے زمانے میں چند صحابی زخمی ہو گئے تھے اور ان کی حالت سکرات کی تھی۔ ایک صاحب نے پانی

مانگا - پانی دینے کے لئے ایک صاحب بڑھے - اسی وقت ایک دوسرے صحابی نے بھی پانی مانگا - جو صاحب زخمی تھے انھوں نے کہا کہ ان کو پانی دو جواب مانگ رہے ہیں - اسی طرح یکے بعد دیگرے کئی صاحبوں کے سامنے پانی پیش کیا گیا اور انھوں نے دوسرے صاحب کو دینے کے لئے اشارہ کیا - حتیٰ کہ وہ دور پہلے مانگنے والے صاحب پر ختم ہوا - جاکر دیکھا تو وہ ٹھنڈے ہو چکے تھے - اسی طرح یکے بعد دیگرے دوسرے صاحبوں کے پاس پہنچے مگر وہ سب کے سب راہیِ جنت ہو چکے تھے -

صاحبو! اسلام کا ایک اور اہم تر بنیادی اصول اعتدال ہے -

(۶) اعتدال

اعتدال ذرا غور کرو - پارہ ½۹۸° پر رہنا چاہئے - زیادہ حرارت ہو تو بخار ہے اور موت - کم ہو تو ضعف ہے اور موت - اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ (الرحمٰن - ۹) یعنی توازن قائم رکھو اور میزان (توازن، بیالنس) میں نقصان نہ کرو - اسے خسارہ میں نہ پڑنے دو - ہر چیز اعتدال پر ہے قرآن میں ہے لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ (البقرہ - ۲۷۹) یعنی نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ دوسروں کو خود پر ظلم کرنے دو - اور ایک جگہ ہے وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۝ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا (بنی اسرائیل ۲۶-۲۷) یعنی (اے پیغمبر) قرابت دار، رشتہ دار اور غریب اور مسافر ہر ایک کو اس کا حق پہنچاتے رہو اور دولت کو بیجا مت اڑاؤ، اسراف مت کرو - کیوں کہ اسراف کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں - اور شیطان تو اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے - اللہ فرماتا ہے: وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَحْسُورًا (بنی اسرائیل - ۲۹) یعنی اپنا ہاتھ نہ تو اتنا سکیڑ دو کہ گویا گردن سے بندھا ہوا ہے

اور نہ بالکل پھیلا ہی دو۔ ایسا کرو گے تو تم ایسے بیٹھے رہ جاؤ گے کہ لوگ تم کو ملامت بھی کریں گے اور تم خالی ہاتھ، تہی دست بھی ہو جاؤ گے۔ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (الاعراف۔ ۳۱) یعنی کھاؤ پیو اور فضول خرچیاں کرو، اسراف کرو کیونکہ اللہ یقیناً اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

حدیث شریف میں ہے: عَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ ثَلٰثَةُ رَهْطٍ اِلٰى اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْئَلُوْنَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اُخْبِرُوْا بِهَا كَاَنَّهُمْ تَقَالُّوْهَا فَقَالُوْا اَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ فَقَالَ اَحَدُهُمْ اَمَّا اَنَا فَاُصَلِّي اللَّيْلَ اَبَدًا وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَصُوْمُ النَّهَارَ اَبَدًا وَلَا اُفْطِرُ وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ اَنْتُمُ الَّذِيْنَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقَاكُمْ لَهٗ لٰكِنِّيْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّيْ وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ (بخاری۔ مسلم۔ مشکوۃ) یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین اصحاب ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے وہ نبی کریم کی عبادت کے متعلق سوالات کرتے تھے۔ جب حضرتؐ کی عبادت کی ان کو خبر دی گئی تو گویا کہ انہوں نے اس کو بہت کم سمجھا۔ پھر ان لوگوں نے کہا ہم کہاں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہاں؟ بحالیکہ اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے ممکن گناہ چھپا دیے ہیں (اور اب وہ نہ حضرت ہی تک پہنچ سکتے ہیں اور نہ گناہ کا ہونا ممکن ہے) پس ان میں سے ایک نے کہا میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھا کروں گا اور ایک دوسرے نے کہا میں ہمیشہ دن کو روزے رکھوں گا اور کبھی افطار نہ کروں گا یعنی میں صائم الدھر رہوں گا۔ اور ایک دوسرے نے کہا میں عورتوں سے ہمیشہ کنارہ کش رہوں گا۔ پس کبھی شادی نہ کروں گا۔ پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس

تشریف لائے اور فرمایا تم ہی وہ لوگ ہو جنھوں نے ایسا ایسا کہا تھا۔ ہاں قسم بہ خدا میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سے زیادہ متقی ہوں مگر روزہ بھی رکھتا ہوں، افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں۔ پس جو میری سنت اور میری چال سے اعراض کرے وہ میرے لوگوں میں سے نہیں۔

قرآن شریف میں ہے وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (المطففین ۱ تا ۶) یعنی افسوس ہے بدمعاملہ لوگوں پر جو لوگوں سے ناپ تول کر لیں تو پورا پورا لیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں۔ کیا ان کو اس بات کا خیال نہیں کہ وہ بڑے دن (بروز قیامت) قبروں میں سے اٹھائے جائیں گے۔ جس دن رب العالمین کے دربار میں سب لوگوں کو جانا ہے (اور حساب دینا ہے)

صاحبو! اکثر تجارت میں یہ ہوتا ہے کہ لیتے ہیں تو کسر اکسرا کر لیتے ہیں اور دیتے ہیں تو ڈنڈی مار کر دیتے ہیں۔ مگر یہ حکم کچھ تجارت ہی سے خاص نہیں۔ تمہارے تمام معاملات ترازو کے تول ہوں! نہ کم نہ زیادہ لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ نہ دوسروں کو ضرر دو نہ خود ضرر اٹھاؤ۔ حدیث شریف میں ہے۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَصْحَابِ الْكَيْلِ وَالْمِيْزَانِ اِنَّكُمْ وُلِّيْتُمْ اَمْرَيْنِ هَلَكَتْ فِيْهِمَا الْاُمَمُ السَّابِقَةُ (ترمذی) یعنی حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپنے اور تولنے والوں سے فرمایا کہ تم لوگوں کے قبضہ میں ایسی دو چیزیں دی گئی ہیں کہ جن کی وجہ سے پہلی امتیں برباد ہو گئیں۔

قرآن شریف میں ہے۔ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا

عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (المائدہ - ۲) یعنی مسلمانو! بعض لوگوں نے تم کو حرمت و عزت والی مسجد (خانۂ کعبہ) میں جانے سے روکا تھا، یہ عداوت تم کو ان پر کسی طرح کی زیادتی کرنے کی باعث نہ ہو اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کے مددگار ہو جایا کرو اور گناہ و زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کے مددگار مت ہو اور اللہ کے غضب سے ڈرو کیوں کہ اللہ کا غضب بہت ہی سخت ہے۔ اور ایک جگہ ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (المائدہ - ۸) یعنی ایماندارو! اے مسلمانو! خدا واسطے انصاف کے ساتھ گواہی دینے آمادہ رہو اور لوگوں کی عداوت تم کو اس جرم کے ارتکاب کا باعث نہ ہو کہ معاملات میں انصاف نہ کرو (نہیں ہر حال میں انصاف کرو کہ شیوۂ انصاف پرہیزگاری سے قریب تر ہے اور اللہ کی نافرمانی سے ڈرتے رہو۔ کیونکہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اللہ یقیناً باخبر ہے۔

صاحبو! ایک اور اسلام کا بنیادی اصول احترام ذی حیات ہے۔

(۷) احترامِ ذی حیات

احترامِ ذی حیات

انسان خود اپنے بلکہ خدائے تعالیٰ کے متعلق بھی سوچے کہ صفات میں کونسی صفت سب سے زیادہ مقدم ہے؟

حیات! حیات ہے تو علم بھی ہے اور قدرت بھی۔ حیات نہ ہو تو نہ علم ہے نہ قدرت اللہ تعالیٰ کے اسماء میں حَیٌّ - قَیُّوْمٌ اسم اعظم کا مرتبہ رکھتے ہیں۔

دیکھو! دنیا میں سب سے زیادہ کوشش اپنی جان بچانے کے لئے ہی ہوتی ہے۔

قرآن شریف میں ہے وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ (الانعام-۱۵۱)

یعنی ناحق نا روا تم کسی ایسی جان کو قتل نہ کرو جس کو اللہ نے حرام کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ناحق کسی کو قتل نہیں کر سکتے۔ سمجھے؟ آپ خیال کرتے ہوں گے کہ دوسروں کو قتل کرنے کی ممانعت ہے؟ تمہاری جان بھی اَلنَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ میں شریک ہے۔ اسی واسطے ہم نے اس سے پہلے بیان کیا ہے کہ خودکشی حرام ہے۔ بھوک ہڑتال بھی اس میں شامل ہے۔ دختر کشی بھی اس میں داخل ہے۔ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ (التکویر ۸-۹) یعنی جب زندہ درگور لڑکی سے سوال کیا جائے گا کہ تو کس گناہ میں مار ڈالی گئی؟ علماء کے پاس تو حمل ساقط کرنا بھی اسی حکم کے تحت ہے۔ اسلام ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ لڑنے والوں کی عورتوں کو، بچوں کو، بوڑھوں کو یا راہبوں کو قتل کیا جائے اسلام حکم دیتا ہے۔ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ (التوبہ ۶) یعنی اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو تم اس کو پناہ دو۔ اور وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (الانفال - ۶۱) یعنی اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی صلح کی طرف مائل ہو۔ اگر غیر مسلم قوم مسلم قوم کے ساتھ ہو کر دشمنوں سے لڑے تو جو حقوق مسلمانوں کے ہیں وہی ان کے بھی حقوق ہوں گے۔ اور اگر مسلمانوں کے ساتھ ہو کر دشمنوں سے نہ لڑیں اور ان کی پناہ میں رہنا چاہیں تو ان کو جزائے حفاظت دینی پڑے گی جس کا نام ہے "جزیہ"۔ اگر موقع کی دشواری کی وجہ سے مسلمان ذمیوں کی حفاظت نہ کر سکیں تو جزائے حفاظت یعنی جزیہ واپس کرنا پڑے گا جیسا کہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے ایسے موقع پر ذمیوں سے لیا ہوا جزیہ واپس کر دیا تھا۔ جزیہ کے مختلف نام ہیں۔ ان میں سے ایک نام وار فنڈ بھی ہے۔

صاحبو! یہ ہے جزیہ کی حقیقت جس کو غیر مسلموں نے جزیہ لینے کی وجہ سے مسلمانوں کو بدنام کر رکھا تھا۔ ابتدائے اسلام میں ہر مسلمان حکمی طور پر فوج میں بھرتی ہونے پر مجبور ہوتا تھا اس لئے ان سے جزیہ نہیں لیا جاتا تھا۔ کیا اس زمانے میں جو لوگ لڑائی میں شریک نہ ہوں ان سے حق حفاظت یا وار فنڈ نہیں لیا جاتا؟ قرآن شریف میں ہے۔ حَتّٰی یُعْطُوا

اَلْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (التوبۃ۔۲۹) یعنی یہاں تک کہ وہ عاجز ہوکر اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں۔ حدیث میں ہے۔ فَاِنْ اَبَوْا اَنْ يَّتَحَوَّلُوْا مِنْهَا فَاَخْبِرْهُمْ اَنَّهُمْ يَكُوْنُوْنَ كَاَعْرَابِ الْمُسْلِمِيْنَ يَجْرِيْ عَلَيْهِمْ حُكْمُ اللّٰهِ الَّذِيْ يَجْرِيْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَكُوْنُ لَهُمْ فِي الْغَنِيْمَةِ وَالْفَيْءِ شَيْءٌ اِلَّا اَنْ يُّجَاهِدُوْا مَعَ الْمُسْلِمِيْنَ فَاِنْ هُمْ اَبَوْا فَسَلْهُمُ الْجِزْيَةَ فَاِنْ هُمْ اَجَابُوْكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ (مسلم)

یعنی پس اگر انکار کریں کہ اپنے مقام سے دارالاسلام میں ہجرت کریں تو ان سے کہدو کہ وہ مسلمان بدویوں کے جیسے ہوجائیں گے اور ان پر وہی احکام جاری ہوجائیں گے جو مسلمانوں پر جاری ہوتے ہیں اور انھیں فئے اور مال غنیمت میں سے کوئی حصہ نہ ملے گا مگر یہ کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ ہوکر مخالفین سے جنگ کریں۔ پھر اگر وہ اس کو بھی نہ مانیں تو ان سے جزائے حفاظت طلب کرو۔ پس اگر وہ تمہاری خواہش کو قبول کریں تو تم ان کی درخواست قبول کرو اور ان سے جنگ کرنے سے ہاتھ روکو۔

صاحبو! ایک اور بنیادی اصول اسلام تقسیم دولت ہے۔

تقسیم دولت

تقسیم دولت قرآن شریف میں ہے۔ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (التوبہ۔۶۰) یعنی صرف صدقات محض فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہے۔ نیز کارکنوں کے لئے جو صدقات کا انتظام کرتے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جن کی تالیف قلوب ضروری ہے اور گردنوں کی آزادی (قیدیوں کے چھڑانے میں) اور قرضداروں کے قرض کی ادائی میں اور مسافروں کے لئے۔ یہ اللہ کا فرض ٹھیرایا ہوا ہے

اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ اور ایک جگہ ہے۔ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ (فاطر-۲۹) یعنی جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے چھپا کر اور کھلے طور پر (راہ خدا میں) خرچ کرتے ہیں۔ بیشک وہ ایسے بیوپار کی آس لگائے بیٹھے ہیں جس میں کبھی گھاٹا ہو ہی نہیں سکتا۔ ایک اور جگہ ہے۔ وَلَا يَأْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (النور-۲۲) یعنی تم میں سے جو بزرگ منش اور صاحب مقدور ہیں، قرابت والوں اور محتاجوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو (مدد خرچ) نہ دینے کی قسم نہ کھا بیٹھیں بلکہ (چاہئے کہ) ان کے (قصور) بخش دیں اور درگذر کریں (مسلمانو!) کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ایک اور جگہ ہے۔ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ (البقرہ-۲۷۳) یعنی خیرات ان فقیروں کا حق ہے جو راہِ خدا میں محصور ہیں اللہ واسطے روک دیئے گئے ہیں کہیں جا نہیں سکتے نادان ان کو نہ مانگنے کی وجہ سے غنی سمجھتا ہے۔ مگر تم ان کی صورت سے ان کے حال سے واقف ہو اور وہ بہت چمٹ کر لوگوں سے نہیں مانگتے۔ اور تم جو خیرات کرو بیشک اللہ کو اس کا علم ہے۔

صاحبو! اسلام میں آدمی کے مرتے ہی تمام مال منقولہ وغیر منقولہ قرابتداروں میں تقسیم ہو جاتا ہے (یہ مقام علم فرائض بیان کرنے کا نہیں ہے۔ اس کی تفصیل پورے قرآن شریف اور علم فرائض کی کتابوں میں ملتی ہے) لیکن وہیں خدائے تعالیٰ نے یہ بھی فرمادیا کہ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ (النساء-۱۲) یعنی میراث

سے پہلے وصیت اور ادائے قرض کا مرتبہ ہے۔ یہ وصیت کس کو کی جائے گی؟ ان قرابتداروں کو جو وراثت سے محروم ہیں، جیسے بیٹوں کے رہتے پوتے نواسے اور دیگر مستحقین جن کا مورث زیر بارِ احسان تھا اور دیگر قومی مذہبی کاموں کے لئے اسلام میں کچھ مال قانونی طور سے غریبوں کو دیا جاتا ہے اور کچھ اخلاقی طور سے۔ زکوٰۃ قانونی طور سے غریبوں کو دی جاتی ہے، اس کے متعلق آیتیں گذریں۔ ہمسایوں کو دینا اور ان کی خبر گیری کرتے رہنا یہ اخلاقی فرض ہے۔ عید الفطر آئی اور غریبوں کو فطرہ دینا لازم ہو گیا۔ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ (البقرۃ ۔ ۱۸۴) یعنی جن کو خدا نے دینے کی قوت عطا کی ہے ان پر صدقۂ فطر کا دینا واجب ہے۔ دیکھو! تم نے اپنی عید منائی، شیر خرما اڑایا، خوب کھایا پیا۔ غریبوں کو بھی فطرہ دو کہ کچھ کھا پی کر شریک عید ہوں۔

صاحبو! ساڑھے تیرہ سو سال ہونے کو آئے، اسلام میں سرمایہ داری اور اشتراکیت کا جھگڑا پیدا نہیں ہوا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ نظامِ اسلام ایسا واقع ہوا ہے کہ اس میں غریبوں کی اتنی امداد کی جاتی ہے کہ اشتراکیت والوں پر سرمایہ داروں کے ظلم کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ اسلام کا اصول ہے کہ تم کمانے میں آزاد ہو لکھ پتی بن جاؤ۔ کروڑ پتی ہو جاؤ۔ مگر غریبوں کا بھی خیال رکھو۔ ان کی پرورش سے بے پروائی مت کرو۔ ابھی ہم نے بیان کیا ہے کہ اسلام میں مال ایک جگہ نہیں رہ سکتا بلکہ عامۃ الناس میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو تم بھی جیو اور دوسروں کو بھی جینے دو۔ یہی انسانیت ہے ؎

دردِ دل، پاسِ وفا، جذبۂ ایماں ہونا
آدمیت ہے یہی اور یہی انساں ہونا

صاحبو! اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمانیت سے تمام چیزوں کو پیدا کیا۔ چاندی، سونا، تانبا، لوہا، جمادات، نباتات، حیوانات سب کو پیدا کیا اور اپنی رحیمیت کی شان سے تمام چیزوں سے مستفید ہونے کا موقع دیا۔ مگر یہ بات ظاہر ہے کہ ع

خدا پنج انگشت یکساں نکرد

خدا نے پانچوں انگلیاں یکساں نہیں بنائی ہیں[1]۔ کوئی تیز ہوش ہے تو کوئی سبک سر۔ کوئی قوی ہے تو کوئی ضعیف۔ کوئی چست و چالاک ہے اور کوئی سست۔ ہوشیاروں نے زیادہ چیزوں پر قبضہ کر لیا۔ نادان، ناتجربہ کار، آرام طلب، بیمار تو منہ دیکھتے رہ گئے۔ اس طرح لوگوں نے سرمایہ جمع کر لیا۔ اپنی دولت کی وجہ سے سست اور بلید لوگوں کو کچھ دے دلا کر ماہوار یا مقرر کر کے، اجرت کا تعین کر کے دوسروں کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنا لیا۔ صاحب عقل و فہم نہ صرف حیوانات پر حکومت کرنے لگے بلکہ جاہل اور کاہل انسانوں پر بھی حکمرانی کرنی شروع کر دی۔ بڑی سختیاں اٹھا کر، خراب کھا کر معمولی کپڑے پہن کر دولت جمع کی۔ ان کا مقولہ ہے گوشت کو اپنا گوشت سمجھو۔ یہ لوگ جو کچھ صرف کرتے ہیں اس کو رجسٹر نقصان میں لکھتے ہیں۔ ان کا کھانا پینا بٹہ کھاتہ میں درج ہوتا ہے۔ لوگوں کو قرض دیتے ہیں اور سود در سود لگا کر ان کی جائیدادوں پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ مزارعین سے چونکہ الگ کام لینا ہوتا ہے اس لئے انہیں صرف اتنا دیتے ہیں کہ قوت لایموت پر ان کی زندگی ہو۔ جب سے مشنری ایجاد ہوئی ہے، کلیں نکلیں ہیں، سو آدمی کا کام دس آدمی کر لیتے ہیں اور نوے بیکار، بیروزگار ہو جاتے ہیں۔ بیکاری کا نتیجہ بھوک، مفلسی، پریشانی۔ آخر یہ پریشانی اس طرح ختم کی جاتی ہے کہ یہ بھوکے مفلس، نادار متفق ہو جاتے ہیں۔ ان کے زبان زد ہوتا ہے کہ بھوکے مرنے سے، ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دینے سے لڑ لڑا کر مرنا بہتر ہے۔ سرمایہ دار خیال کرتے تھے کہ "دولت" قوت ہے۔ اور یہ بھوکے، فاقوں سے مرنے والے مزدور "کثرت" کو قوت سمجھتے ہیں۔ مزدوروں اور سرمایہ داروں میں کشمکش ہوتی ہے، مزدور سرمایہ داروں پر حملہ کرتے ہیں اور ان کو مارنا کوٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ سرمایہ دار بھی ان ہی غریبوں میں سے چند کو نوکر رکھ کر ان کا کلہ بہ کلہ جواب دیتے ہیں مگر کب تک؟ یہ بھاڑے کے سپاہی آخر کار ان مفلسوں کے ساتھ ہو جاتے ہیں اور سرمایہ داروں کو شکست فاش ہو جاتی ہے۔ لیکن ان کے زمانے میں ٹکے سیر بھاجی ٹکے سیر کھاجا ہو جاتا ہے۔ مگر یہ زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہتا۔ پھر ان ہی میں سے چند چست و چالاک، عقلمند، ہوشیار، ان پر حکومت کرنا شروع کر دیتے ہیں، اور پھر سے سرمایہ داری

[1] ترجمہ از اکیڈمی

شروع ہو جاتی ہے۔ اشتراکیت میں کیا ہوتا ہے؟ گھر سرکار کا، کپڑے سرکار کے، بیوی سرکار کی، بچے سرکار کے، ذاتی ملک ندارد۔

صاحبو! مجھے ذرا یہ بتاؤ کہ غلامی کس کا نام ہے؟ بے اختیاری، کسی ذاتی چیز کا نہ رکھنا غلامی نہیں تو کیا ہے؟ پہلے چند غلام ہوتے تھے۔ اب قوم کی قوم غلام ہے۔ چند حاکم تو ذاتی رائے رکھتے ہیں۔ جس نے ان کی رائے کا خلاف کیا اور اپنی رائے ظاہر کی تو گولی مار دی گئی۔ ظلم سے روکنے والی چیز مذہب اور خدا کا ڈر ہے۔ لوگ مذہب کے خیال کو پاس پھٹکنے نہیں دیتے۔ مظالم کا ایک سلسلہ ہے کہ بندھا ہوا ہے۔ پھر اشتراکیت کہاں ہے؟ زمانہ گردش کرتا ہے۔ کبھی سرمایہ داری ہے تو کبھی اشتراکیت۔ پھر کبھی اشتراکیت ہے تو کبھی سرمایہ داری تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ (آل عمران۔۱۴۰) یعنی ہم انہی دن رات کو لوگوں میں الٹ پھیر کرتے ہیں۔ غرض اگر کوئی اعتدالی نظام ہے تو وہ اسلام ہے اور صرف اسلام۔

صاحبو! اسلام کا ایک اور بنیادی اصول امن برقرار رکھنا اور فساد نہ کرنا بھی ہے۔

(۹) قیامِ امن

قیامِ امن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ (الانعام۔۱۰۹) یعنی جو خدا کو چھوڑ کر ماسوا اللہ کو پکارتے ہیں، مانتے ہیں، ان کے دیوتاؤں کو بھی گالی مت دو کہ وہ کہیں پلٹ کر بے سمجھی سے خدا کو گالیاں دینا شروع نہ کردیں۔

صاحبو! مسلمان تو اللہ اور اس کے ان تمام پیغمبروں کو مانتا ہے جن کا ذکر قرآن شریف اور حدیث میں موجود ہے کیوں کہ ذریعۂ علم یقینی ہے اور جو لوگ اسلام سے پہلے گذرے ہیں ان کی نسبت مسلمان اتنا سمجھتے ہیں کہ ممکن ہے کہ وہ پیغمبر ہوں۔ ان کے متعلق ہم کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ (فاطر۔۲۴) یعنی کوئی قوم نہیں ہے

مگر یہ کہ اس میں نذیر (پیغمبر) نہ گذرا ہو۔ اور ایک جگہ ہے۔ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (الرعد) یعنی ہر قوم کے لئے ایک ہدایت کرنے والا ہوا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ ہر گروہ میں ایک نہ ایک پیغمبر ضرور بھیجا گیا ہے۔ البتہ جن کا پیغمبر ہونا ہمارے پاس یقینی ذرائع سے ثابت نہیں ہوا ان کے متعلق ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ وہ پیغمبر ہوں' یا ہادی قوم ہوں۔ لہٰذا شری رام چندر جی' شری کرشن جی اور شری گوتم بدھ بھی ممکن ہے کہ پیغمبر ہوں۔ اس واسطے ان کے لئے بھی ہم کوئی نامناسب لفظ منہ سے نہیں نکال سکتے۔

یہ بات یاد رکھو کہ جو نہ ماننے والا ہے وہی اختلاف کرتا ہے اور جو سب کو ماننے والا ہے' وہ کسی سے اختلاف نہیں کرتا اور نہ کسی کی بدگوئی ہی کرتا ہے۔ اے عیسیٰ روح اللہ کے ماننے والو! ان کا فرمانِ واجب الاذعان تو یہ تھا کہ اگر کوئی تمہارے رخسار پر ایک طمانچہ مار دے تو دوسرا رخسار بھی اس کے سامنے پیش کر دو کہ وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال لے۔ مگر روح اللہ کے اس فرمان کی تعمیل کیا تم نے اس طرح کی کہ اپنے مخالف جانداروں کو بے روح کر دیا بلا لحاظ اس کے کہ عورت ہو یا مرد' بچہ ہو یا بوڑھا سب کے لئے ایٹم بم' ہائیڈروجن بم اور شعاع الموت سے کام لیا اور ان سب کو نذرِ آتش کر دیا۔ روح اللہ کے ان تمام احکام کو ماننا مذہبی عیسائیوں کا کام ہے۔ ہم تو قومی عیسائی ہیں جو ہم سے مخالفت کرے ہم اس کو تباہ و تاراج کر دیں گے' تہ خاک کر دیں گے' اس کا نام و نشان مٹا دیں گے۔ خدا نے ہم کو عقل دی ہے ہم اس کی ناقدری نہیں کرتے۔ پیغمبروں کی باتوں کو ہم اسی حد تک مانتے ہیں جس حد تک ہماری عقل سلیم انکار نہیں کرتی۔

صاحبو! ایسی قومیں بھی ہیں جو خود کو ابوالقانون اور فوق القانون سمجھتی ہیں۔ پہلے عمل کرتی ہیں پھر قانون بناتی ہیں۔ جب اس قانون پر عمل کرنے کا وقت آتا ہے تو فوراً دوسرا قانون بنا لیتی ہیں۔ غرض ان کے قوانین شرمندۂ عمل نہیں ہوتے۔

صاحبو! طریقۂ تبلیغ میں بڑی بے احتیاطی برتی جاتی ہے۔ ہم کو حکم ہے۔ فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا (طٰهٰ-۴۴) یعنی اے موسیٰ و ہارون! تم فرعون کو نرمی سے نصیحت کرو

ذرا سوچو! تم اللہ کے پاس موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے زیادہ قابلِ احترام نہیں ہو اور تمہارا مخاطب فرعون سے بڑھ کر بدتر نہیں ہے۔ ایسے جلیل القدر پیغمبروں کو نرمی سے نصیحت کرنے کا حکم ہے۔ پہلے کے لوگ غیر مسلم کو مسلم بناتے تھے۔ اب مسلم کو غیر مسلم کہہ رہے ہیں، بات بات پر کافر، مشرک، بے دین اور دنیا بھر کے سخت الفاظ ہیں۔ دیکھو! تھوڑی بہت اجتماعی صورت ہے۔ اس کو بھی تم اس طرح درہم برہم کر رہے ہو۔ نہ جماعت سے نماز ہے نہ کسی مجلس میں اتحاد۔ اور نہ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا (آل عمران ۱۰۳) یعنی اللہ تعالیٰ کی رسی کو جو اسلام ہے مضبوط پکڑو اور اس کے ذریعہ سے اپنی حفاظت کرو پر عمل ہے۔ قرآن شریف میں ہے وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا (الاعراف ۵۶) یعنی لوگو انتظامِ مملکت درست ہونے کے بعد فساد نہ پھیلاؤ۔ نیز فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ (الاعراف ۷۴) یعنی پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور ملک میں فساد پھیلاتے نہ پھرو۔ اور ایک جگہ ہے وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (الاعراف ۸۵) یعنی ملک میں اس کا انتظام درست ہوئے پیچھے فساد نہ کرو اگر تم ایماندار ہو۔ یہ (طریق حسن معاملت) تمہارے حق میں بہت بہتر ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ (النحل ۹۱) یعنی اور تم اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ عہد کرو۔ اور اپنی قسموں کا خلاف نہ کرو اس کے پختہ ہونے کے بعد بحالیکہ تم نے اللہ کو ضامن بنایا تھا۔ اور تم جو کچھ کرتے ہو یقیناً اللہ اس کو جانتا ہے۔

صاحبو! اب ہم وہ اسباب بیان کرتے ہیں جن کے نہ ہونے سے فساد برپا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۰ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ

وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ (المائدۃ ۹۰۔۹۱) یعنی مسلمانو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے (ان میں کا ہر ایک کام) تو بس ناپاک شیطانی کام ہے پس اس سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ یقیناً شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کی وجہ سے تمہارے آپس میں دشمنی اور بغض ڈلوا دے اور تم کو یادِ الٰہی سے اور نماز سے باز رکھے تو کیا شیطان کے مکر پر اطلاع پانے کے بعد اب بھی تم باز نہ آؤ گے۔ ایک اور جگہ ہے اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (التوبۃ ۔۴) یعنی ہاں! مشرکین میں سے جن کے ساتھ تم نے (صلح کا) عہد و پیمان کر رکھا تھا پھر انہوں نے (ایفائے عہد میں) تمہارے ساتھ کسی طرح کی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلے میں کسی کی مدد کی تو ان کے ساتھ جو عہد ہے اسے اس مدت تک جو ان کے ساتھ ٹھہری تھی پورا کرو کیونکہ ان لوگوں کو جو بد عہدی سے بچتے ہیں یقیناً اللہ دوست رکھتا ہے چنانچہ ارشاد ہے وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا (نحل ۔۹۱) وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا (بنی اسرائیل ۳۲) یعنی تم عہد شکنی نہ کرو اس کے پختہ ہو جانے کے بعد ——— اور لوگو زنا کے پاس کبھی نہ پھٹکنا کیونکہ وہ بے حیائی ہے اور بہت ہی برا چلن ہے اور فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا (الفرقان ۶۸) یعنی جو لوگ خدا کے ساتھ کسی دوسرے معبودوں کو نہیں پکارتے اور ناحق ناروا کسی شخص کو جان سے نہیں مارتے کہ اس کو خدا نے حرام کر رکھا ہے اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور جو اس طرح کرے گا وہ ضرور اپنے گناہوں کا خمیازہ بھگتے گا۔ اور ایک جگہ ہے۔ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا

فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (البقرہ ۱۸۸) یعنی مسلمانو! آپس میں ناحق ایک دوسرے کے مال خرد برد نہ کرو اور نہ مال کو حاکموں کے پاس (رسائی پیدا کرنے کا) ذریعہ گردانو کہ لوگوں کے مال میں سے جو کچھ ہاتھ لگے اس کو جان بوجھ کر ناحق ہضم کر جاؤ۔ اور ارشاد ہے سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (المائدہ ۴۲) یعنی جھوٹی باتیں سننے والے حرام کا مال کھانے والے، اگر وہ تمہارے پاس آئیں تو ان پر انصاف سے احکام دو یا ان سے اعراض کرو۔ اگر تم ان سے اعراض کرو تو وہ تم کو کچھ بھی ضرر نہ پہنچا سکیں گے اور اگر تم ان میں احکام جاری کرو تو انصاف سے احکام جاری کرو۔ بے شک اللہ انصاف پرستوں کو دوست رکھتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَخَذَ شِبْرًا مِّنَ الْاَرْضِ ظُلْمًا فَاِنَّهٗ يُطَوَّقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْ سَبْعِ اَرَضِيْنَ یعنی زید کے بیٹے سعید روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بالشت بھر زمین بھی زور ظلم سے لے لے گا قیامت کے دن اس قطعۂ زمین کو ساتوں زمین میں سے بطور طوق اس کی گردن میں ڈالا جائے گا عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُذْكُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ وَكُفُّوْا عَنْ مَسَاوِيْهِمْ یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے مُردوں کی خوبیاں اور بھلائیاں بیان کرو اور ان کی برائیوں سے زبان بند رکھو!

صاحبو! ان آیات واحادیث سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ جھوٹ بولنا حرام ہے رشوت کھانا حرام ہے۔ زنا، چوری اور قتل حرام ہیں۔ دوسرے کی زمین ناجائز طور سے حاصل کرنا بھی حرام ہے۔ لوگوں کی زبان پر ہے کہ فساد کی جڑ تین (۳) ہیں۔ زر، زن، زمین

ہمارے خیال میں ایک اور "سزا" ہے جو ان تینوں زناؤں سے بدتر ہے۔ وہ "زنا" زبان کی ہے۔ زبان سے انسان جھوٹ بولتا ہے، غیبت کرتا ہے، نکتہ چینی کرتا ہے۔ دوسرے کو گالی دیتا ہے۔

اب میں گذشتہ امور کی گونہ تفصیل بیان کرتا ہوں۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان کو پکڑ کر فرمایا کہ تم اس کی ذمہ داری لو تو میں جنت کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ ایک عرب کا قول ہے۔ اِنَّ اللِّسَانَ صَغِیْرٌ حَجْمُہٗ وَکَبِیْرٌ جُرْمُہٗ دو انگل کی زبان آفت کا مکان۔ دانشمندوں کا کہنا ہے کہ جو کچھ کہنا چاہتے ہو پہلے اس کو سونے کی چھلنی میں چھانو تاکہ جھوٹ نکل جائے اور سچ رہ جائے۔ پھر چاندی کی چھلنی میں چھانو کہ اس کا کہنا ضروری ہے یا بے فائدہ؟ تاکہ بیکار نکل جائے اور باکار رہ جائے۔ پھر لوہے کی چھلنی میں چھانو کہ کیا تمہارے لئے اس کا کہنا متعین ہو گیا ہے؟ دوسرے کہتے ہیں تو تم کو کیا ضرورت پڑی کہ دخل در معقولات کرو اور محلِ آفات بنو۔ جو زیادہ بولتا ہے اسی سے زیادہ غلطیاں ہوتی ہیں مَنْ کَثُرَ لَفْظُہٗ کَثُرَ غَلَطُہٗ۔ جس کی آمدنی سے زیادہ خرچ ہو وہ چند روز میں مفلس ہو جائے گا۔ خدا نے دو کان دئیے ہیں اور ایک زبان تاکہ دو باتیں سنو تو ایک بات کہو۔

صاحبو! تم کو حکم ہے کہ کوئی بدکار تمہارے سامنے کچھ کہے تو تم اس کی تحقیق کرو اسلام میں بے تحقیق بات کرنا درست نہیں۔ ایک بات متواتر طریقہ سے پہنچی ہے اور ایک بات کے کہنے والے ایک دو آدمی ہوتے ہیں۔ متواتر کے مقابل اکے دُکے کی بات آجائے تو ہرگز قابلِ قبول نہیں۔ خصوصاً جب کہ ان سے مسلمہ بزرگ ہستیوں پر عیب لگتا ہو۔
کسی نے حضرت ابو حنیفہ نعمان بن ثابت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے روایت بیان کی کہ ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ کہے۔ امام نے فرمایا نہیں! پیغمبر معصوم ہوتا ہے۔ اس کی بڑی شان ہوتی ہے۔ بلکہ راوی نے ایک جھوٹ کہا۔ اسی طرح صحابہ کی صحابیت متواتر طور سے ثابت ہے۔ ان پر کوئی جھوٹا الزام لگائے تو ہم ہرگز قبول نہ کریں گے۔

صحابہ کو جو برا کہے وہ خود برا ہے۔ جو ائمہ کو جھوٹا کہے وہ خود جھوٹا ہے، کذاب ہے۔ اس کی مثال فوارے کی ہے کہ از وی خیزد و بروی ریزد۔ (اس سے نکلتا ہے اور اسی پر گرتا ہے)

صاحبو! لوگوں کو نکتہ چینی اور چغل خوری کی بڑی عادت ہے۔ یہ بیماری عام ہے۔ پڑھے لکھے، جاہل، ان پڑھ سب ہی اس مرض میں مبتلا ہیں۔ ان ہی پر صادق آتا ہے وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ (الھمزۃ۔۱) یعنی افسوس ہے نکتہ چینوں اور چغل خوروں پر۔ لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک شہد کی مکھی کی خاصیت رکھنے والے اور دوسرے معمولی مکھی کی طبیعت والے۔ شہد کی مکھی پھولوں پر بیٹھتی ہے اور ان کا رس چوستی ہے جو شہد بن کر لوگوں کو شیریں دہن بناتا ہے۔ معمولی مکھی زخموں پر بیٹھتی ہے اور پیپ پیتی ہے۔ دوسروں کو ایذا دیتی ہے۔

صاحبو! زبان کا بدترین جرم جھوٹ ہے۔ جھوٹا ناقابل اعتماد، ناقابل اعتبار ہوتا ہے۔ اس کی بات کی وقعت ہے نہ عزت۔ سچ پوچھو تو اس کا جینا لعنت ہے۔ کم بولو، سچ بولو مگر آج کل جھوٹ بولنا، جھوٹی خبریں اڑانا، ہنر ہو گیا ہے۔ اس زمانہ میں مغالطہ بازی کا بڑا زور ہے، پروپگنڈے کا بڑا شور ہے۔ وہ بڑا استاد ہے جو جھوٹ کو سچ کر دکھلائے، جھوٹ پر ایسی رنگ آمیزی کرے کہ کوئی حقیقت حال سے واقف ہی نہ ہو سکے۔ واقعات کا جرأت سے انکار کرو، اور جھوٹ پر تکرار کرو، اصرار کرو۔ تم جو چاہو سو کہو گے مگر تمہارے دل کے کونے میں اوڑھا لپیٹا ضمیر پڑا ہوگا۔ وہ چپکے سے کہے گا لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ (آل عمران۔۶۱) یعنی جھوٹوں پر خدا کی مار، اس کی پھٹکار۔

صاحبو! بعض بدزبانوں کی عادت ہوتی ہے کہ سبب بلا سبب دوسروں کی برائیاں کریں۔ مظلوم کو صرف اتنا حق ہے کہ عہدہ دار متعلقہ اور حاکم مجاز کے سامنے دفع ظلم کے لئے شکایت کرے۔ جس قدر ظلم کیا گیا ہے اس کا کہنا تو البتہ جائز ہے مگر اس پر حاشیہ آرائی درست نہیں۔ گواہ اگر صحیح واقعات بیان کرے تو یہ عدالت کی بڑی مدد ہے اور وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ (البقرۃ۔۲۸۳) شہادت کو نہ چھپاؤ پر عمل ہے۔ اور عہدہ داروں کی حق رسانی

میں عین اعانت ہے۔ لیکن بات کا بتنگڑ بنانا، دل سے لگتے لگانا، چار کو دس بنانا مظلوم کو بھی نہ چاہیئے۔ مظلوم صرف واقعی شکایت کر سکتا ہے۔ رفع شکایت کے لئے دوسرے بھی مدد دے سکتے ہیں۔ مظلوم ناجائز خلاف واقعہ شکایت کر کے خود ظالم بن جاتا ہے۔ ظلم کرو نہ ظلم کئے جاؤ۔ یہ آیت ہماری رہنما ہے: لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ (البقرۃ-۲۷۹)

صاحبو! بعض لوگوں کو غیبت کرنے کی بری عادت ہوتی ہے۔ ان کا کہنا ہوتا ہے کہ یہ بات ہم صحیح کہہ رہے ہیں اور ان کے منہ پر کہہ سکتے ہیں۔ ان کے پاس دل شکنی اور آزار رسانی عیب نہیں۔ دراصل یہ لوگ غیبت اور تہمت میں فرق نہیں کرتے۔ جھوٹ کہنا تو تہمت ہے اور سچ بات ہی پیٹھ پیچھے کہنا غیبت ہے۔ قرآن شریف میں ہے۔ وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ (الحجرات) یعنی تم میں سے ایک شخص دوسرے کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے کو پسند کرے گا جس سے تم غالباً کراہت کرتے ہو۔ بس کسی کی غیبت کرنا اور یہ کہنا کہ میں ان کے منہ پر یہ بات کہہ سکتا ہوں میرے پاس عذرِ گناہ بدتر از گناہ ہے

صاحبو! سیہ کار، بدرفتار اشخاص کے طرفداروں کے لئے خدائے تعالیٰ کیا فرماتا ہے: وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِیْنَ خَصِیْمًا (النسأ-۱۰۵) یعنی خیانت کار اشخاص کے تم طرف دار نہ ہو ان کی طرف سے نہ لڑو۔ اور ایک جگہ ہے۔ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (البقرۃ-۴۲) یعنی جان بوجھ کر حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ نہ کرو، خلط ملط نہ کرو۔ اے بیرسٹرو! اے وکیلو! گواہو! تم حق رسی میں، حق رسانی میں عدالت کی مدد کرو، اپنی چرب زبانی سے حق کو ناحق اور ناحق کو حق مت بناؤ۔ جھوٹی گواہی نہ دو۔ اے لائیرز (Lawyers) لائرز (Liars) نہ بنو۔ اے وکیلو! جھوٹ نہ کہو معین جرم مت بنو۔ حق کو اپنے پیش نظر رکھو۔ جھوٹ کو پاس نہ آنے دو۔ ظلم اور ظالم کی طرف داری سے بچو۔

صاحبو! ایک اور آفت، سراپا لعنت رشوت ہے۔

زر بر سر فولاد نہی نرم شود
(سونا فولاد پر رکھو تو فولاد نرم ہو جاتا ہے)

وہ قاضی الحاجات ہے۔ کافی الہمات ہے ؎

اے زر تو خدا نئی ولیکن بخدا
ستارِ عیوب و قاضی الحاجاتی

(اے دولت تو خدا تو نہیں ہے لیکن خدا کی قسم عیبوں کو چھپانے والی اور ضرورتوں کو پورا کرنے والی ہے)

دیکھو کسوٹی پر سونا آزمایا جاتا ہے اور زر ہر انسان کا امتحان ہے۔ بعض لوگ رشوت دے کر اہل مقدمات کو دے کر حق کو ناحق کر دیتے ہیں۔ کوئی اس کو منہ بھرائی کہتا ہے اور کوئی مٹھائی، کوئی بالائی۔ چھوٹے سے لے کر بڑے تک اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ اسی لعنت میں گرفتار ہے۔ اہل مقدمہ اس وقت تک کچھ نہیں دیتا جب تک کہ سرکاری مال میں سے اس کو کچھ نہیں ملتا۔ کس کا نقصان کیا؟ سرکار کا، حکومت کا۔ بعض حضرات خود تو معاملہ نہیں کرتے۔ گفتگو ہوتی ہے تو وکیل صاحب سے نِصْفٌ لِی وَنِصْفٌ لَکَ پر سودا ہو جاتا ہے۔ وکیل صاحب بڑے زعم سے کہتے ہیں کہ میں ایسی بحث کروں گا کہ کامیابی کے پھول تمہارے دامن میں بھر جائیں گے۔ وکیل صاحب کی بڑی شہرت ہو جاتی ہے۔ لوگوں میں بڑی عزت ہوتی ہے۔ بعض حضرات کچھ نہیں لیتے، اہل مقدمات سے ضمانت دلوا دیتے ہیں جس کی ادائی قیامت کے دامن سے دامن باندھی ہوئی ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ہم کسی کو مجبور نہیں کرتے۔ وہ خود تحفے تحائف دیتے ہیں تو ہم لے لیتے ہیں۔ کیونکہ نہ لیں تو ان کی دل شکنی کا باعث ہوتا ہے۔ بعض لوگ راست باز ہوتے ہیں مگر سخت مزاج تلخ گفتار۔ لوگ ان سے رشوت خواروں ہی کو پسند کرتے ہیں کہ کام جلد نکل جاتا ہے۔ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کسی سے کچھ نہیں لیتے۔ راست باز اور نیک کردار ہوتے ہیں مقدمات ختم ہو جاتے ہیں۔ تبادلہ بھی ہو جاتا ہے۔ دوسرے حاکم کو جائزہ مل جاتا ہے تو

عامۃ الناس ان کی نیک کرداری سے خوش ہو کر سپاس نامے دیتے ہیں۔ گلے میں پھولوں کے ہار ڈالتے ہیں۔ کچھ تحفے تحائف بھی ساتھ کر دیتے ہیں وَقَلِیْلٌ مِّنْهُمْ مگر ہیں ایسے کتنے؟ یہ لوگ صرف انگلیوں ہی پر گنے جا سکتے ہیں۔

صاحبو! امن شکن امور میں سے ایک شراب بھی ہے۔ اس کے متعلق میں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ اس میں کا ایک حصہ یہ ہے۔ او مے خوار تجھ پر خدا کی سنوار۔ دیکھ اس شیشہ میں لال پری ہے، فتنہ سے بھری ہے۔ خبردار! اس کے منہ سے ڈاٹ نہ نکال۔ وہ اڑے گی اور گلے پڑے گی، کلیجہ کھا جائے گی۔ نہ دین کا رکھے گی نہ دنیا کا۔ پہلے ہنسائے گی پھر آنسوؤں سے منہ دھلائے گی۔ پچھتائے گا اور اپنے حال پر افسوس کرے گا۔ مگر یہ سب کچھ کام نہ آئے گا۔ اس حال سے اس جنجال سے نکلنا بہت مشکل ہے۔ اس کے لئے بڑی ہمت اور بڑے دل کی ضرورت ہے۔

صاحبو! آج کل شراب خواری کے ساتھ ساتھ قمار بازی کا جال بھی خوب پھیل گیا ہے برج کا کھیلنا عیب نہیں۔ معمہ بازی اسی درخت کی ایک ڈالی ہے۔ گھوڑ دوڑ پر شرط باندھنا قمار بازی ہی کا ایک شعبہ ہے اور ایسے سب امور مفت خوری کے مختلف نام ہیں۔ تم کو معلوم ہے کہ پانڈے اور کوروؤں کا کیا حال ہوا؟ سب تباہ ہو گئے، برباد ہو گئے اور تاریخ میں صرف نام رہ گیا۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ـــــ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ (حشر-۲) اے بصیرت رکھنے والو عبرت حاصل کرو۔

صاحبو! اسلام کا ایک اور بنیادی اصول مساوات ہے۔

(۱۰) مساوات

مساوات اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (الحجرات-۱۳) یعنی اور ہم نے تم میں قبیلے قبیلے اس واسطے بنا دیئے ہیں کہ ایک دوسرے کو پہچانیں

اور تم میں باہمی تعارف ہو۔ یقیناً تم میں کا بزرگ تر تو اللہ کے پاس وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ ایک جگہ فرماتا ہے خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (الزمر-٦) یعنی اللہ نے تم کو ایک ہی شخص (آدم) سے پیدا کیا۔ سب بنی آدم ہیں۔ ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ اچھا یہ ذات پات کا جھگڑا کس نے نکالا؟ قوتِ غضبی کا دیوتا کہنے لگا اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ یعنی میں اس سے بہتر ہوں خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ (الاعراف-١٢) یعنی تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے۔ جو لوگ اپنی ذات پات پر فخر کرتے ہیں وہ اسی کے شاگرد ہیں۔ تم تو مٹی کے بنے ہو، یہ جھوٹا فخر کیسا؟ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ (فاطر-١١) یعنی تم کو مٹی سے پیدا کیا، بھی یاد ہے؟

صاحبو! ایک دفعہ ایک برہمن صاحب سے میری گفتگو ہوئی۔ میں نے پوچھا آپ برہمن ہیں۔ اپنی ذات کو واجب التعظیم سمجھتے ہیں۔ اچھا یہ فرمائیے کہ آپ بہتر ہیں یا جناب رام چندر جی مہاراج اور کرشن جی مہاراج؟ انھوں نے کہا وہ اوتار تھے، اچھے کام کرتے تھے۔ میں نے ان سے عرض کیا پھر تو ذات ہی کو وجہ فضیلت سمجھنا درست نہ ہوا بلکہ فضیلت کا دارومدار عملِ صالح پر رہا۔

صاحبو! فطرتِ انسانی اور اس آیت پر غور کرو وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا (نوح) یعنی اللہ نے انسان کو مختلف طور، مختلف رنگ ڈھنگ، مختلف حالات وصفات کا پیدا کیا۔ دیکھو! بچہ چھوٹا ہے تو ماں باپ کے زیرِ تربیت رہتا ہے، استاد کے زیرِ تعلیم رہتا ہے اور اپنے بزرگوں کی خدمت کرتا ہے۔ یہ ہیں معنی خادم اور "شودر" کے۔ جب اور بڑا ہوتا ہے یعنی دین اور تجارت کرتا ہے۔ تو وہ تاجر یعنی "ویش" ہو جاتا ہے۔ اور جو امن قائم کرنے کے لئے ہتھیار باندھتا ہے وہ سپاہی اور "چھتری" ہو جاتا ہے۔ پھر جب اللہ کے واسطے اس کے بندوں کی ہدایت کرنے لگتا ہے، خود فضائل سے آراستہ رہتا ہے اور دوسروں کو بھی فضائل کی تعلیم دیتا ہے تو وہی پیشوا اور "برہمن" ہو جاتا ہے

ع (واضح ہو کہ یہ دونوں حضرات غیر برہمن تھے۔ اکیڈمی)

برہمن کون ہے؟ جو برہما کی معرفت رکھتا ہے۔
صاحبو! جو لوگ تاجر کے ہاتھ کے نیچے ماہوار لے کر کام کرتے ہیں وہ ویش نہیں وہ شودر اور خادم ہیں۔ جو لوگ ماہوار لے کر چھتری کے زیر حکم ہتھیار اٹھاتے ہیں وہ چھتری نہیں شودر اور خادم ہیں۔ اسی طرح جو ماہوار لے کر کسی عالم اور برہمن کے زیر حکم لوگوں کو پڑھاتے ہیں وہ بھی یقیناً شودر یعنی خادم ہیں۔ مگر اچھے خادم ہیں۔ دیکھو ایک آدمی اپنے اعمال کی وجہ سے شودر بھی ہوتا ہے، ویش بھی ہوتا ہے چھتری اور برہمن بھی۔ غور کرو وجہ فضیلت کیا ہے؟ علم و کمال ہے اور بس۔

میں سید ہوں، میں شیخ ہوں، میں برہمن ہوں، میں کیا کیا ہوں۔ تم بزرگوں سے نسبت رکھتے ہو اور تمہارے افعال ان بزرگوں کے لائق نہیں۔ تمہارے بزرگ بیشک اچھے تھے۔ نیک نام تھے۔ تم بھی تو اپنے اعمال سے نیک ہونے کو ثابت کرو۔ تم محنت کرو۔ تمہارے اعمال لائق فخر ہوں۔

دیکھو احدیث شریف میں ہے اَلنَّاسُ کَاَسْنَانِ الْمُشْطِ یعنی لوگ کنگھی کے دندانوں کی طرح سب برابر ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں تو صف بندی میں بازو سے بازو لگائے کھڑے ہوتے ہیں۔ مگر امام وہی بنتا ہے جو سب سے زیادہ عالم ہو۔ حج کو جاتے ہیں۔ سب لوگ ایک ہی لباس، ایک ہی ہیئت میں۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً (البقرہ - ۱۳۸) رنگ میں رنگ خدا کا رنگ۔ مساوات خیر کثیر پر مشتمل ہے۔ اس کا مظاہرہ نماز اور حج سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (الکوثر) یعنی اے پیغمبر ہم نے تم کو خیر کثیر عطا کیا (اسلام دیا، قرآن دیا، حق پرست بنایا پس اسی کے مظاہرے میں) تم نماز پڑھتے اور حج کرتے رہو۔ پھر جو اس عطیہ سے انکار کرتا ہے اس کے لئے ہے اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (الکوثر) یعنی تمہارا مخالف ناکام ہوگا۔ اس کا نام لیوا تک باقی نہ رہے گا۔

بندگی باید پیمبر زادگی درکار نیست

(بندگی چاہئیے، پیمبر زادگی نہیں چاہئیے۔ یعنی بغیر بندگی کے محض پیغمبر کی اولاد ہونا کچھ کام نہ آئے گا) خاک کے پتلے بنے ہو، خاکساری چاہئیے۔ عجز وانکساری سے سرفرازی ہوتی ہے۔

صاحبو!

اسلام کا ایک اور بنیادی اصول حرکت میں برکت ہے۔

(۱۱) حرکت میں برکت

حرکت میں برکت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ○ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى (النجم ۳۹-۴۰)

یعنی انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور آدمی اپنی کوشش ہی کا نتیجہ دیکھتا ہے۔ اور ایک جگہ ارشاد ہے۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا (حٰمٓ السجدۃ ۴۶) جو نیک عمل کرے گا وہ اس کے نفس کے لئے سودمند ہوگا اور جو برے کام کرے گا وہ اسی کو نقصان رساں ہوگا۔ غرض اچھا کروگے تو فائدہ اٹھاؤگے۔ برا کروگے تو اس کا نقصان اٹھاؤگے۔

صاحبو! ذرا غور کرو زندہ اور مردہ میں کیا فرق ہے؟ زندہ حرکت کرتا ہے اور مردہ حرکت نہیں کرتا۔ دیکھو حرکت میں برکت ہے۔ اَلْبَرَكَةُ فِى الْحَرَكَةِ اس میں عزت وحرمت ہے۔ سیڑھیاں چڑھتے ہیں تو کوٹھے پر پہنچتے ہیں ؎

رو نداز نردباں بالائے بام آہستہ آہستہ
بہ مطلب می رسد جویائے کام آہستہ آہستہ

(زینے چڑھتے ہوئے آہستہ آہستہ کوٹھے پر چڑھتے ہیں۔ مقصد کو پانے کی کوشش کرنے والا آہستہ آہستہ اپنا مطلب پالیتا ہے) (؏ ترجمہ از اکیڈمی)

سمندر میں جو شخص غوطہ لگاتا ہے، غواصی کرتا ہے وہی موتیاں پاتا ہے ؎

وَمَنْ طَلَبَ الْعُلٰی سَهِرَ اللَّيَالِي
يَغُوصُ الْبَحْرَ مَنْ طَلَبَ اللَّآلِي
وَمَنْ طَلَبَ الْعُلٰی مِنْ غَيْرِ كَدٍّ
أَضَاعَ الْعُمْرَ فِي طَلَبِ الْمُحَالِ

عزت حاصل کرنا چاہتے ہو تو راتوں کو جاگو۔ جو موتیاں حاصل کرنا چاہتا ہے وہ سمندر میں غوطہ لگاتا ہے۔ بے محنت کے عزت طلب کرنا محال کے لئے سرگرداں رہنا ہے۔ ماں باپ کا اندوختہ کب تک؟ قارون کا خزانہ بھی ہوگا تو ایک دن ختم ہو جائے گا۔ کب تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہو گے۔ کام کرنے والے کو انعام ملتا ہے۔ پیادہ چھ گھر چلتا ہے تو فرزیں ہو جاتا ہے۔ مرد بنو۔ کمر ہمت باندھو۔ محنتی کے سامنے پہاڑ اپنی سربلندی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ وہ ڈائنامیٹ لگاتا ہے اور پہاڑ کے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دیتا ہے۔ پہاڑ کھودتا ہے اور اس میں سے راستہ بنا لیتا ہے۔

صاحبو! وقت آتا ہے تو کام ساتھ لاتا ہے۔ آج کا کام کل پر ڈالو گے تو کل کا کام کب نکالو گے؟ ماضی گیا، مستقبل ناقابل اعتماد، اب تمہارے ہاتھ میں حال کے سوا کیا ہے ؎

کام کر دو یا کل کر دو ❊ جو کرنا ہے آج کر دو

ماضی کو رونا اور حال کو کھونا عقلمندوں کا کام نہیں ؎

جو وقت گیا وہ پھر نہ آیا ❊ کیا نقدِ حیات کھو رہے ہو

زندگی کا وقت نامہ بناؤ۔ جتنا سوچنا ہے، ایک ہی وقت سوچ لو۔ ایک ہی بات کو بار بار سوچنا عمر کا ضائع کرنا ہے۔ زمانہ غیر قارع ہے اور اہلِ زمانہ اس کے ہم رفتار۔ کل تک تم رہو گے نہ کام کرنے کا موقع ملے گا۔ لیل و نہار کے سیاہ و سفید چوہے تمہاری عمر کی ڈالی کو کتر رہے ہیں۔ نیچے موت کا اژدہا منہ پھاڑے پڑا ہے کہ کب گرو گے اور کب اس کا نوالہ بنو گے۔ ابھی

ع غیر قار یعنی جسے قرار نہیں۔ ایک حالت پر نہیں رہتا۔

وقت باقی ہے۔ کچھ کام کرو کچھ نام کرو۔ کام کرنے والے ہوائی جہاز پر اڑتے ہیں۔ سمندروں کو پھلانگتے ہیں۔ تم ہو کہ سینما، شطرنج بازی، قمار بازی، شراب خواری اور دیگر واہی تباہی اشغال میں مبتلا ہو۔ کب تک سوؤ گے۔ خوابِ غفلت سے اٹھو اور کچھ کام کرو۔

اٹھو اٹھو! یہ خوابِ غفلت کب تک
جاگو! جاگو! اجل کمیں گاہ میں ہے
آتی ہے ہر نفس سے صداگوشِ ہوش میں
کچھ کر لو غافلو کہ میں ناپائیدار ہوں (حسرتؔ صدیقی)

نماز پڑھی، روزے رکھے، اچھے کام کئے تو انشاء اللہ تمہاری آخرت درست ہو گی۔ تم دنیا میں ہو۔ دنیا کا بھی کچھ کام کرو۔ اس کا بھی تم پر حق ہے۔ اس کا حق ادا کرنا تم پر واجب ہے۔ یہ آخرت کی دوزخ سے تو بچ گئے۔ دنیا کے عذاب سے بھی نکلنے کی کوشش کرو۔ دل دانا رکھنے والے کو ایک بات بھی کافی ہے۔ غافل ہزار ہا چیزیں دیکھتا ہے اور ان سے کچھ عبرت نہیں لیتا۔ اس کے پیش نظر فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ (الحشر۔۲) یعنی اے بصیرت والو (ماضی اور دوسروں کے حالات سے) عبرت حاصل کرو، کبھی رہتا ہی نہیں دیکھو تم "توکل" کے غلط معنی سمجھے ہو۔ ع

برتوکل زانوئے اشتر ببند
(اللہ کے بھروسہ پر اونٹ کے پاؤں باندھ رکھو)عـــه

مقاصد کے اونٹ کا پاؤں باندھو۔ ورنہ وہ بھاگ جائے گا اور کفِ افسوس ملنا پڑے گا۔ تم تقدیر کو کیا روتے ہو۔ اپنے آپ کو روؤ فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (ابراهيم-۲۲) تقدیر میں تو تمہاری آرام طلبی بھی لکھی ہوئی ہے۔ خود ہرے کام کرو اور تقدیر پر الزام دھرو! ان غلط فہمیوں سے توبہ کرو۔ میں پھر کہوں گا۔ کام کرو۔ بس کام کرو۔

صاحبو! اسلام کا ایک اور بنیادی اور اہم اصول خشیۃ اللہ ہے۔

عـــه ترجمہ از اکیڈمی

(۱۲) خشیۃ اللہ

خشیۃ اللہ

ذرا غور کرو! دنیا میں کیا تمام لوگ ایک قسم کے ہیں؟ ہرگز نہیں! کوئی کالا ہے، کوئی گورا، کوئی بہادر ہے کوئی بزدل، کوئی حریص ہے کوئی قانع غرض کہ مختلف طبیعتیں ہیں۔ مختلف فطرتیں ہیں۔ انسان کی طبیعت الگ ہے اور اس کا نقطۂ اعتدال الگ۔ شیر کی طبیعت جدا ہے اور اس کا نقطۂ اعتدال بھی جدا۔ شیر کی حرارت اگر آدمی کو ہو تو وہ مر جائے گا۔ انسان کی کم حرارت اگر شیر کو ہو تو وہ زندہ نہ رہے گا۔ جب طبیعتیں مختلف ہیں تو ان کے آثار بھی مختلف ہوں گے۔ جس کی طبیعت میں شر ہے وہ ضرور شر دکھلائے گا۔ مغلوب الغیظ اپنے دشمن کو قتل کر دے گا۔ مکار اپنی چالاکی سے سادہ لوحوں کو لوٹے گا۔ ہر ایک اپنا جوہر طبیعت دکھائے گا۔ پھر ظالموں کو ظلم سے روکنے کی کوئی صورت؟ سرکار نے عدالت کے لئے منصف مقرر کئے ہیں۔ ان سے اوپر ناظم۔ ناظم پر سشن جج و رکن عدالت العالیہ۔ ارکان پر مشتمل جلسۂ متفقہ۔ جلسۂ کاملہ اور سوپریم کورٹ یعنی اعلیٰ عدالت سرشتۂ مال میں پیشکار۔ پیشکار پر تحصیلدار۔ تحصیلدار پر دوم تعلقدار یا ڈویژنل افسر۔ اس پر اول تعلقدار یا کلکٹر۔ اس پر صوبہ دار یا رکن مجلس مال۔ اس پر صدر المہام۔ صدر المہام پر مدار المہام یا چیف منسٹر۔ آپ سمجھ رہے ہوں گے کہ اتنے عہدہ داروں کے رہتے ہوئے ظلم و ناانصافی کا دروازہ بند ہو گیا؟ ہرگز نہیں! اتنے عہدہ داروں کا ایک سے ایک بالادست ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا خطا کرنا ممکن ہے۔ سمجھا یہ جاتا ہے کہ چھوٹا عہدہ دار کم تجربہ و کم علم ہوتا ہے۔ بالادست حاکم ماتحت کے تجاویز آراء اور فیصلوں کی اصلاح کرتا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ ان میں سے معصوم کون ہے؟ سب انسان ہیں جن میں خطا و نسیان ہے۔ لوگ کیا ان عہدہ داروں سے ڈرتے ہیں؟ نہیں! ہرگز نہیں! عہدہ داروں کا کام فیصلے کرنا ہے۔ ڈر ہے تو ان کا جن کے ذریعہ سے تعمیل احکام کی جاتی ہے۔ یعنی کوتوالی و ذلیل پوج

کیا ان میں کوئی معصوم بھی ہے؟ نہیں! تمام عہدہ داروں کے ساتھ انصاف پر ڈاکہ ڈالنے والے بھی موجود ہیں۔ وہ کون؟ زمخشری کہتا ہے عہ

شَیْنَانِ شَیْنَانِ لِلْاِسْلَامِ
اَلرِّشْوَۃُ وَالشَّفَاعَۃُ عِنْدَ الْحُکَّامِ

یعنی دو شَین حق رسانی کے منہ پر کلنک کا ٹیکہ ہیں۔ رشوت اور حکام کے پاس شفاعت یعنی سفارش۔ تعصبات اور ناحق طرفداری مزید برآں ہیں حکام اور کوتوالی والے اس وقت مدد کر سکتے ہیں جب ان کو جرائم کی اطلاع ہو۔ جرم اس جگہ کیا جائے جہاں نہ کوئی گواہ ہو نہ دیکھنے والا ہو، تو عدالت و کوتوالی دونوں بیکار ہیں۔ پھر کیا یہ دونوں غیر ضروری ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں! اگر عدالت اور کوتوالی نہ ہوں تو انصاف اور حق کا خون ہو جائے اور اس کی نعش پر عالم ماتم کرے۔ پھر کیا چیز ہے جو ان تمام مظالم کا انسداد کر سکتی ہے؟ وہ صرف خوفِ خدا ہے۔ خشیۃ اللہ ہے۔ جو ناخدا ترس ہیں وہ بے لگام ہیں۔ جو جی چاہتا ہے کہتے ہیں۔ جو جی چاہے کرتے ہیں۔ اور جو چاہتے ہیں کھاتے ہیں، پیتے ہیں۔ منہ زور یا بے لگام گھوڑا جہاں چاہے گا، جائے گا۔ سوار منہ دیکھتا رہ جائے گا۔

صاحبو! خشیۃ اللہ جرائم کے لئے تریاقِ اعظم ہے۔ یہی وجہ تو ہے کہ قرآن شریف میں بار بار قیامت کا ذکر اور اس کی ہولناکی کا بیان ہے۔ ایک دن سب کو خدا کو منہ دکھانا ہے اس کے دربار میں حاضر ہونا ہے۔ جوابدہی کرنا ہے۔ وہاں دودھ کا دودھ، پانی کا پانی ہو جائیگا۔ عقل سلیم کہتی ہے کہ ایک شخص تمام عمر ظلم و ستم کرے اور آخر تک خوش حالی میں بسر کرے دوسرا نیک صفات ہو، نیک اوقات ہو، تکلیف اور عسرت میں گذارے، صبر و شکر اس کا شیوہ ہو، رحم و کرم کا مابہ الامتیاز ہو۔ کیا دونوں برابر ہیں؟ جو خدا پرست ہے وہ کہے گا کہ نہیں یہ دونوں برابر نہیں۔ برے کام کی سزا اگر یہاں نہیں ملی تو خدا کے پاس حسب تقاضائے انصاف ضرور مل کر رہے گی۔ اسی واسطے تو قیامت پر اور وہاں کی جوابدہی پر اللہ تعالیٰ لوگوں کو متوجہ فرماتا ہے۔

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ، (التکویر)
جب آفتاب کا نور اور اس کی کشش ختم ہو جائے گی اور اس کے منہ پر ظلمت کی چادر لپیٹی جائے گی۔ ستاروں کی بھی باہمی کشش باقی نہ رہے گی۔ نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے گا۔ ستارے تاریک اور مکدر ہو جائیں گے۔ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ (التکویر) اور جب پہاڑ زلزلوں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اڑتے پھریں گے۔ وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (التکویر) اور جب گابھن اونٹنیوں کا کوئی پوچھنے والا نہ رہے گا۔
وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ (التکویر) اور جب وحشی جانور سب ایک جگہ جمع ہو جائیں گے اور درندے چرندے سب پریشان ہو کر ایک دوسرے کے قریب آ جائیں گے شیر اور بکری ایک گھاٹ پر ہوں گے وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ (التکویر) سمندر کا پانی تیل کی طرح مشتعل ہو جائے گا وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ (التکویر) اور جب لوگوں کی ٹولیاں ٹولیاں ہو جائیں گی۔ پیغمبروں کے ساتھ ان کی امت ہوگی۔ مرشدوں کے ساتھ مرید استادوں کے ساتھ شاگرد۔ لیڈروں کے ساتھ ان کے فالوور۔ ماں باپ کے ساتھ ان کی اولاد۔ شوہر کے ساتھ بیویاں عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ (انفطار۔۵) یعنی ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے پہلے کیا کیا اور بعد میں کیا کیا يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ (انفطار) اے انسان سراپا نسیان! تجھے رب کریم کے متعلق کس چیز نے دھوکہ دیا۔ دربارِ الٰہی میں تمہارے اعمال سے بازپرس ہوگی تم کچھ جواب نہ دے سکو گے۔ منتقمِ حقیقی نیکوں کو اچھی حالت میں رکھے گا اور بُروں کو تکلیف و عذاب میں۔

دعا

دعا اسلام کے بنیادی اصول میں سے ایک دعا بھی ہے جس کے متعلق میں گونہ تفصیل سے بحث کرنا چاہتا ہوں کیوں کہ ہمارا دارومدار خدائے تعالیٰ

سے دعا کرنے پر ہے۔ دعا کیوں کی جاتی ہے؟ اس کے متعلق ذرا غور کرو۔ خدائے تعالیٰ کا وجود بالذات۔ ہمارا وجود بالعرض۔ خدا کا خاصہ استغنائے ذاتی یعنی کسی کا محتاج نہیں ہونا۔ وہ غنی الاغنیاء ہے۔ اس کو کسی کی ضرورت نہیں۔ ہمارا وجود بالعرض ہے۔ خدا کا عطیہ ہے۔ ہمارا خاصہ کیا ہے؟ احتیاج ذاتی۔ خدا کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں بَلْ یَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ (مائدہ۔۶۴) ایک ہاتھ سے دنیا دیتا ہے، ایک ہاتھ سے دین دیتا ہے۔ ہمارے دونوں ہاتھ خالی ہیں۔ سخی داتا دے گا تو مفلس کچھ لے گا۔

یہ یاد رکھو! ذاتیات ذات سے کبھی جدا نہیں ہوتے۔ نہ خدا سے استغنائے ذاتی جائے گا، نہ ہم سے احتیاجِ ذاتی۔

رباعی

تو میرا خدا ہے میں ہوں تیرا بندہ
حاجت مجھ میں ہے اور ہے تجھ میں غنا
جب ہو صفتِ ذات کا اظہارِ کمال
میں مانگتا جاؤں اور تو دیتا جا
(حسرت صدیقی)

صاحبو! کسی کے پاس جاؤ تو ایسی چیز لے جاؤ جو اس کے پاس نہ ہو۔ خدا کے پاس کیا چیز نہیں ہے؟ سب کچھ ہے۔ وہ غنی الاغنیاء ہے۔ پھر اس کے پاس کیا لے جائیں؟ ایسی چیز جو اس کے پاس نہ ہو۔ وہ کیا ہے؟ عاجزی، مفلسی، ناداری۔ جس کا وجود ہی ذاتی نہ ہو اس کی کونسی چیز ذاتی ہوگی؟

دعا میں کیا ہوتا ہے؟ اپنی احتیاج ذاتی کا ظاہر کرنا اور اس کے استغنائے ذاتی کو ماننا

صاحبو! خدا بھی کچھ تم سے مانگتا ہے۔ خدا اور مانگنا! توبہ توبہ! نہیں! جلدی نہ کرو۔ خدا تم سے مانگنے کو مانگتا ہے۔ وہ فرماتا ہے:۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ (مومن ۶۰) تم مجھ سے مانگو میں تم کو دوں گا۔ تم دعا کرو میں قبول کروں گا۔ حدیث میں آیا ہے اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ دعا مغز عبادت ہے۔ یہ کیوں کر؟ ابھی ہم نے

بیان کیا کہ دعا میں اظہارِ بندگی ہے - اظہارِ احتیاج ہے - بندگی ہی تو مغزِ عبادت ہے اور کیا ہے - خدا سچا اور اس کا قول سچا' اس کا وعدہ حق - پھر ہماری بعض دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں ؟ ذرا سمجھو! ہر چیز کا قائم مقام اور اس کا بدل ہوتا ہے - خدائے تعالیٰ تو سب کی دعائیں قبول کرتا ہے - دعا کا قبول کرنا اس چیز کا فوراً دے دینا جو وہ مانگ رہا ہے ایک صورت ہے - کبھی قبولیتِ دعا میں تاخیر ہوتی ہے - یہ بھی ایک صورت ہے - اور کبھی دوسری دنیا میں اس کا بدل دیتا ہے' یہ بھی ایک صورت ہے - جو دعا نظامِ عالم اور انتظامِ دنیا کے مناسب ہوتی ہے وہ اسی دنیا میں دے دی جاتی ہے - جس دعا کا دینا اس دنیا سے مناسبت نہیں رکھتا اُس دنیا میں اس کا بدل دیا جاتا ہے -

صاحبو! چھوٹے دل کے انسان نے مانگا تو اپنے حوصلہ کے مطابق - چھوٹے دل کی خواہش بھی چھوٹی ذُوالجلالِ والاکرام دے گا تو اپنے لائق دے گا - کل قیامت میں وہ لوگ جن کی دعائیں اس دنیا میں قبول ہوئیں ان لوگوں کے حالات پر رشک کریں گے جن کی دعائیں اس دنیا میں قبول نہیں ہوئیں - یاد رکھو ہمارے مانگنے سے خدا کا دینا بہت زیادہ ہے -

صاحبو! مانگنے والے سے سب بیزار ہوتے ہیں - یہ اَجْوَدُ الْاَجْوَدِیْنَ (سب سخیوں کا سخی) کو دیکھو - وہ مانگنے سے خوش ہوتا ہے اور نہ مانگنے والے سے ناخوش اس کا دینا کبھی ختم نہ ہوگا - تمہارا مانگنا بھی کہیں ختم نہ ہو - مانگو! مانگو! دل کھول کر مانگو! مگر اخلاص سے مانگو! عاجزی سے مانگو - گڑگڑاتے جاؤ اور مانگتے جاؤ -

میں جو کچھ کہنا چاہتا تھا کہہ چکا - چونکہ کامیابی خدا کے ہاتھ ہے اس لئے بارگاہ ذوالجلال والاکرام میں دعا کے لئے دونوں ہاتھ پھیلاتا ہوں - رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا اے ہمارے رب! تو نے ہم کو پالا پوسا' پروان چڑھایا - اب ہماری بھول چوک پر مواخذہ نہ کر' گرفت نہ فرما - رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا اے ہمارے رب! جس طرح تو نے ہمارے بزرگوں پر امتحان کا بار

ڈالا تھا اور بلاؤں میں مبتلا کیا تھا وہ بار توہم پر نہ ڈال رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ اے ہمارے رب! اور ہم پر اتنا بوجھ نہ ڈال جس کو ہم برداشت نہ کر سکیں۔ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اور ہماری خطاؤں کو مٹا دے اپنے دامنِ رحمت و مغفرت میں چھپا لے۔ ہم پر رحم فرما اَنْتَ مَوْلٰىنَا تو ہمارا مالک ہے جو چاہے کر سکتا ہے۔ مگر ہم مسلمان ہیں۔ تیرے حبیبؐ کے نام لیوا ہیں فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (البقرہ-۲۸۶) تو ہم کو ہمارے دشمنوں پر غالب کر، فتح و نصرت دے۔ ان کے ہاتھوں ہم کو ذلیل مت کر۔

بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ